قرآن کریم
ایک مسلسل معجزہ

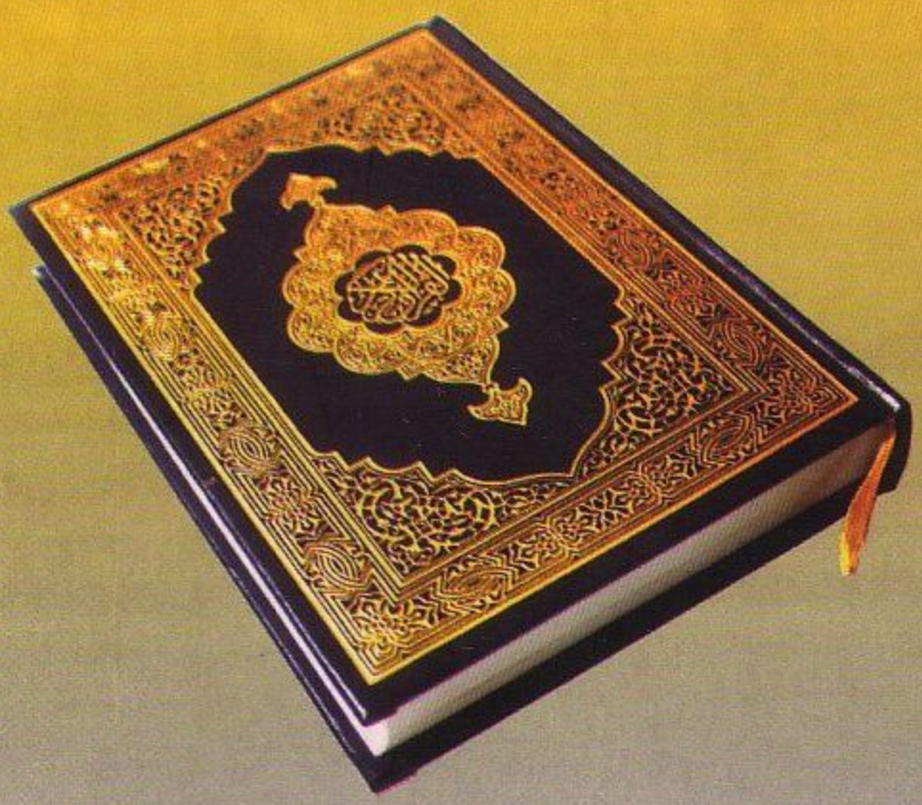

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چودھری

toobaa-elibrary.blogspot.com

conversation with dr sahib @ https://www.linkedin.com/

toobaa elibrary 11:59 PM

سلام سر آپکی کتاب نیٹ آئی ؟ قرآن اک معجزہ

میں نے آپکے لیکچر سنے تھے ٹی وی پر۔ !

- 8/9/2016 Prof Dr M Akram Chaudhary sent the following message at 11:12 PM

Prof Dr M Akram Chaudhary

Prof Dr M Akram Chaudhary 11:12 PM

One was published by Islamic Publications Lahore in Urdu in 2011 AD. The other I am working on it. Shall be published soon. Thanks. Stay blessed.

- 8/10/2016 toobaa elibrary sent the following message at 6:41 PM

toobaa elibrary

toobaa elibrary 6:41 PM

آپ اگر اجازت دیں تو وہ کتاب اسکین کر کے طوبیٰ ریسرچ لائبریری پر اپ لوڈ کر دی جائے؟

- Prof Dr M Akram Chaudhary sent the following message at 6:58 PM

View {firstName} profile

Prof Dr M Akram Chaudhary

Prof Dr M Akram Chaudhary 6:58 PM

Dear I don't mind it. You can use the matterials both printed and Audio (Thirty Lectures on the Qur'an delivered in Ramadan and available on the Daily Motion) and other videos as you like. Just you will give me the Feedback--it will enable me to develop them further. Pray for me and Allah be with you. Stay blessed. Regards

- 8/12/2016 toobaa elibrary sent the following messages at 12:53 AM

View {firstName} profile
toobaa elibrary

toobaa elibrary 12:53 AM

بہت بہت مہربانی. ان شاء اللہ جلد اپ لوڈ کردونگا

- Aug 18

toobaa elibrary

toobaa elibrary 12:04 AM

سلام سر آپ کے لیکچرز قرآن ایک مسلسل معجزہ میں ایک بات سنی تھی کہ

"اقبال عربی مترجم کلام کو پڑھ کر ائک عرب ادیب نے کہا تھا کہ یہ شاعروں کا قرآن ہے یا قرآن کی شاعری ہے"

کیا یہ بات درست ہے میری یاداشت میں ہے کہ آپ ہی سے سنی تھی اوردوسری بات اگر یہ درست ہے تو آپ نے اسے اپنی کتاب کا حصہ کیوں نہیں بنایا؟

- Prof Dr M Akram Chaudhary sent the following messages at 12:46 AM

Prof Dr M Akram Chaudhary

Prof Dr M Akram Chaudhary 12:46 AM

محترم میرا بیان آپ کو ٹھیک سے یاد نہیں رہا، میں نے کہا تھا کہ مصری پروفیسر ڈاکٹر مجیب حسین المصری کہتے تھے: علامہ اقبال قرآن کریم کے شاعر ہیں، اگر کوئی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تو میرا دعویٰ ہے کہ وہ خود شاعروں میں قرآن کی مانند ہیں.

Prof Dr M Akram Chaudhary

Prof Dr M Akram Chaudhary 12:49 AM

I have quoted the same in my Arabic articles. Don't know how I forgot to mention the same in my book.

قرآن کریم
ایک مسلسل معجزہ

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری
وائس چانسلر
یونیورسٹی آف سرگودھا

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق بحقِ ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : قرآن کریم ایک مسلسل معجزہ
مصنّف : پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری
اشاعت : مارچ 2011ء
اڈیشن : 1
تعداد : 500

اہتمام : عبدالحفیظ احمد (مینجنگ ڈائریکٹر)
اِسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
3-کورٹ سٹریٹ، لوئر مال لاہور، پاکستان
ہیڈ آفس: منصورہ ملتان روڈ، لاہور پاکستان
فون: 042-37248676-37320961
فیکس: 042-37214974
ویب سائٹ: www.islamicpak.com.pk
ای میل: islamicpak@yahoo.com

مطبع : علی اعجاز پرنٹرز، لاہور

قیمت : -/150 روپے

والد ماجد

چوہدری محمد ثناء اللہ

کے نام

جنہوں نے میرے دل میں

عربی زبان کی محبت بوئی ــــ

جو قرآن کریم اور اہل جنت

کی زبان ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

ترتیب

پیش گفتار	۵
۱۔باب اول بے مثل زبان وبیان	۹
۲۔باب دوم قرآن کریم اور دیگر صحف سماویہ	۳۱
۳۔باب سوم اسلوب قرآن اور قرآن فہمی	۵۱
۴۔باب چہارم قرآن کریم کی حقانیت۔ایک مسلسل معجزہ	۶۵
۵۔باب پنجم قرآن کریم۔ایک ذریعہء علم	۷۹
۶۔باب ششم قرآن کریم اور مستشرقین	۹۳
کتابیات	۱۲۱

پیش گفتار

یہ ۱۹۸۴ء کے اواخر کا ذکر ہے کہ میں اپنے پی ایچ ڈی کے سپروائزر پروفیسر ڈاکٹر حسن محمد باجودہ کی خدمت میں حاضر ہوں، جو اس وقت ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ میں صدر شعبہ عربی زبان ہیں، اور میں نے آنجناب ﷺ کے فرمان: ''لاتنقضی عجائب القرآن ولایخلق عن کثرۃ الردّ فاتلوہ'' (قرآن کریم کی محیر العقول چیزیں کبھی ختم نہ ہوں گی اور یہ کتاب اپنے پڑھنے والوں کو اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دے گی لہٰذا تم اسے پڑھا کرو) پر بات کرتے ہوئے اپنی رائے دی اور استاذ محترم نہایت ہیجانی کیفیت میں کھڑے ہو گئے اور مجھے بازو سے پکڑ کر جناب راشد راجح[1] وائس چانسلر، ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے پاس لے گئے۔ اور وائس چانسلر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگے: میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ قرآن کریم اترا تو بطحا کی وادیوں میں، اسے پڑھا اہل مصر نے اور سمجھا برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے۔ سنو یہ نوجوان قرآن کریم کے بارے میں کیا کہتا ہے''۔ وائس چانسلر صاحب کے استفسار پر میں نے اختصار کے ساتھ عرض کیا کہ دنیا کی سبھی زبانیں امتداد زمانہ اور مرور ایام کے ساتھ ساتھ بدل جاتی ہیں۔ ان زبانوں کی گرامر، انشاء، اسالیب بیان اور لفظ اور معنی کے باہمی تعلق کی نوعیت میں تبدیلی آ جاتی ہے۔ الفاظ کے معانی بسا اوقات اس قدر بدلتے ہیں کہ چند صدیوں میں وہ بالکل الٹ مفہوم دینے لگے ہیں اور یہ تطوّر دلالی یعنی Semantic extension زبانوں میں وقوع پذیر ہونے والا قانون قدرت ہے۔ جسے کتاب اللہ میں استعمال ہونے والے ذخیرہ الفاظ نے توڑا ہے۔ اور جہاں قانون فطرت ٹوٹتا ہے اور خرق عادت کا کوئی مظاہرہ سامنے آتا ہے، اگر وہ نبی کے ہاتھ سے ہو تو ہم اسے معجزہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ زبانوں میں وقوع پذیر اسی قانون قدرت کو قرآن کریم کے الفاظ اور اسالیب صدیوں سے

---

[1] جناب راشد راجح بعد میں مملکت سعودی عرب میں ایک عرصہ وزیر تعلیم بھی رہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

توڑتے چلے آئے ہیں کہ قرآنی الفاظ نے گذشتہ چودہ صدیوں میں اپنے مفاھیم نہیں بدلے، لہٰذا ''قرآن کریم ایک مسلسل معجزہ ہے'' میں نے سلسلہ کلام میں عربی اور دیگر زبانوں کی کچھ مثالیں بھی عرض کی ہوں گی۔ وائس چانسلر صاحب میری گفتگو سننے کے بعد مسکراتے ہوئے مجھے فرمانے لگے: ''لم اننی لم انتبه الیٰ ذلک؟'' [تم سے پیشتر] یہ بات مجھے کیوں نہیں سوجھی؟ جس پر میں نے ان سے بھرپور معذرت کی۔ دونوں اساتذہ کرام نے میری جی بھر کر مدح وتوصیف کی اور حوصلہ بڑھایا۔ ڈاکٹر باجودہ نے ۱۹۸۵ء میں المکتبۃ الفیصلیۃ مکہ مکرمہ سے چھپنے والی میری ایک چھوٹی کتاب کا پیش لفظ بھی تحریر کیا۔

ہماری تاریخ میں قرآن کریم کی مختلف پہلوؤں سے تفاسیر کا ایک بہت بڑا اور شہ موجود ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل علم نے ہمیشہ ہی قرآن کریم کو اپنی علمی سرگرمی کا مرکز رکھا ہے۔ بے شمار تفاسیر میں زیادہ زور قرآن کریم کے ابلاغی محاسن اجاگر کرنے پر رہا۔ متعدد تفاسیر میں اسرائیلی روایات کے انبار اکٹھے کر دیئے گئے۔ بے شمار تفاسیر صوفیانہ رنگ میں لکھی گئیں جنہیں ہماری تاریخ میں تفسیر اشاری کے نام سے موسوم کیا گیا۔ دیگر عالمی زبانوں کے مقابلے میں اگرچہ اردو زبان کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ صرف اردو زبان میں لکھی جانے والی تفاسیر کا احاطہ کیا جائے تو اس کے لیے کئی دفتر درکار ہوں گے۔ اعجاز القرآن کے موضوع پر امام جرجانی، باقلانی، خطابی، رمانی رحمھم اللہ کے علاوہ مشاہیر اسلام کی لاتعداد کتب اور رسائل اسلامی لائبریری کا ایک شاندار اور نہایت وقیع حصہ ہیں، ان کتب اور رسائل میں کتاب اللہ کے ابلاغی محاسن کا خوب احاطہ کیا گیا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ کتاب اللہ کے نئے سے نئے گوشے سامنے آتے رہیں گے۔ تفسیری ادب کے ضمن میں ابھی تک یہ موضوع زیر بحث نہیں آیا کہ سیاقات قرآنیہ میں استعمال ہونے والے ذخیرہ الفاظ نے التوسع الدلالی یعنی Semantic extension کو قبول نہ کرتے ہوئے معانی کے ساتھ اپنے تعلق کو جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ جو محیر العقول بھی ہے اور اعجاز

القرآن کا ایک نیا پہلو بھی۔ زیر نظر کتاب میں اعجاز القرآن کے متذکرہ بالا پہلو کے ساتھ عربی زبان کی جامعیت، قدیم اور جدید غرض ہر زمانے میں وقت کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت کے ساتھ قرآن کریم کی جمع وتدوین کی بہت ساری جہتوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ جنہیں قرآن کے دشمن آئے دن قرآن کریم پر حملے کرنے کے لیے موضوع بحث بناتے ہیں۔

میں گزشتہ پچیس برس فرصت کے لمحات کی تلاش میں رہا کہ چند روز متفرّغ کر کے قرآن کریم کے اس نادر پہلو پہ کچھ لکھوں کہ اعجاز القرآن کی کئی اور جہتیں بھی ہوں گی جو وقت کے ساتھ ساتھ سامنے آئیں گی۔

فروری ۲۰۰۷ء میں یونیورسٹی آف سرگودھا میں وائس چانسلر شپ کا منصب سنبھالنے کے بعد سٹیشن ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان سرگودھا جناب ظفر اقبال رضوی کے اصرار پر قرآن کریم کے موضوع پر چار تقاریر ریکارڈ کرانے کا وعدہ کر لیا۔ گزشتہ تین چار سالوں میں یونیورسٹی کی جامع عابد میں ختم قرآن کی مجالس میں بھی قرآن کریم سے متعلقہ موضوعات پر تقاریر کیں۔ مذکورہ چاروں ریڈیائی اور ختم قرآن کی محافل کی تقاریر کو ڈاکٹر عبدالقادر خان ایڈیٹر یونیورسٹی نیوز لیٹر نے مختلف شماروں میں شائع کر دیا۔ ان اشاعتوں میں حاصل مطالعہ اور نتائج تو بڑی حد تک مذکور تھے۔ مگر مآخذ ومصادر کی تفصیل کا ماہوار نیوز لیٹر متحمل تھا اور نہ ہی میں یہ مواد ایڈیٹر حضرات کو دے سکا تھا۔

اب اسی مواد کی ترتیب نو کے بعد جملہ مآخذ ومصادر کے ساتھ قرآن کریم۔ ایک مسلسل معجزہ چھ ابواب کی صورت میں پیش ہے۔

کتاب کی ٹائپنگ، بعض تفصیلات کی تلاش، عبارتوں کی درستگی اور دیگر امور متعلقہ میں مجھے ڈاکٹر فرحت عزیز، ایف سی کالج، لاہور، جناب محمد فیروز شاہ کھگہ، اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف سرگودھا اور خاص طور پر ڈاکٹر شہباز منج، اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی

toobaa-elibrary.blogspot.com

آف سرگودھا کا بھرپور تعاون مہیا رہا۔ جس کے سبب یہ کام طباعت کے قابل ہو سکا۔ میں ان سب حضرات کا سپاس گزار ہوں۔ اور دعا گو ہوں کہ اللہ انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

قارئین کرام اور علماء حضرات سے درخواست ہے کہ دورانِ مطالعہ اگر انہیں کہیں کوئی نقص یا غلطی نظر آئے تو مجھے معذور جانیں کہ یہ دراصل انہی ریڈیائی تقاریر یا محافل ختم قرآن کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے، مگر ایسی اغلاط سے مجھے مطلع ضرور کریں تا کہ آئندہ اشاعت میں ان اغلاط کو دور کیا جا سکے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم چوہدری

وائس چانسلر ہاؤس

یونیورسٹی آف سرگودھا

سرگودھا

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

۱۶ فروری ۲۰۱۱ء

باب اول

بے مثل زبان و بیان

یہ ایک ناقابل انکار اور شک و شبہ سے بالاتر حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم ایک لازوال الہامی کتاب ہے۔ اس کا غیر معمولی اعتبار و عظمت، اس کی تازہ کاری، دائمی و غیر مختتم حکمت، منفرد و بے مثل اُسلوب اور مسلسل و بے بہا معجز نمائی میں پنہاں ہے۔ اقبالؒ نے قرآن کا تعارف پیش کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

آں کتاب زندہ قرآنِ حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصر ہا پیچیدہ در آناتِ اوست
چوں بجاں دررفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود (۱)

''قرآن کریم وہ زندہ و جاوید کتاب ہے، جس کی حکمت و دانش قدیم بھی ہے اور دائمی و لازوال بھی۔ اس کی آیات کریمہ میں سینکڑوں نئی دنیاؤں کے بے نہایت امکانات پوشیدہ ہیں اور اس کے آنات و لمحات میں ان گنت صدیاں اور لاتعداد زمانے بند ہیں۔ جب یہ

۱۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵، ص ۱۲۱، ۶۵۴، ۶۶۹۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قلب وجاں میں اترتا ہے، تو انہیں زیروزبر کر کے رکھ دیتا ہے۔ جب یہ انقلاب آتا ہے، تو آدمی کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔''

انسان کے خالق نے اپنی عنایتِ بے پایاں سے بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کی خاطر بعثتِ انبیا اور نزول کتب کا سلسلہ قائم فرمایا۔ مختلف انبیا کو مختلف الہامی کُتُب اور صحفِ سماویہ عطا ہوئے۔ ان کتب وصحف میں سے، عمومی طور پر، ہم صرف چار کتابوں سے آگاہ ہیں۔ ان چار کتابوں کے اسمائے مبارکہ، ان کی زمانی ترتیب کے اعتبار سے یوں ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن۔ مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت میں آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک نقل ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، جن میں سے تین سو پندرہ کو کتابیں دی گئیں۔ (۲) اِس حدیثِ مبارکہ کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم خود بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے:

وَ قَالُوْا لَوْ لَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَیِّنَةُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. (۳)

''اور کہتے ہیں کہ یہ (پیغمبر) ہمارے پاس، اپنے رب کی طرف سے، کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی؟''

اِسی طرح قرآنِ مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی. (۴)

۲۔ ابن حنبل، احمد، مسند ابن حنبل، بیروت، دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۳ء/۱۴۱۴ھ، ج۶، ص ۲۲۶-۲۲۸۔

۳۔ القرآن، طٰہٰ ۲۰:۱۳۳۔

۴۔ القرآن، الاعلیٰ ۸۷:۱۸-۱۹۔

''یقیناً یہ بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

قرآن وحدیث کی یہ گواہیاں اس حقیقت کا اعتراف واعلان ہیں کہ متذکرہ صدر چار معروف ومعلوم کتبِ سماویہ کے علاوہ بھی الہامی کُتُب وصحائف نازل ہوئے؛ تاہم یہ بات قطعی وحتمی ہے کہ ان ساری کتابوں میں آخری کتاب قرآنِ کریم ہے، جو نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عربی زبان میں نازل ہوئی۔

عربی زبان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ زبان دراصل سامی زبانوں کے خاندان کی ایک نہایت محترم اور باوقار زبان ہے۔ زبانوں کی تشکیل وترویج کا مطالعہ ایک نہایت اہم اور دلچسپ موضوع ہے۔ ماہرین لسانیات نے زبانوں کو اپنی ساخت کے اعتبار سے مختلف خاندانوں میں بانٹ کر دیکھا ہے۔ سامی زبانیں کون سی ہیں؟ اِس سوال کا جواب جاننے کے لیے جب ہم تاریخ سے رجوع کرتے ہیں، تو ہمیں یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے: سام، حام اور یافث۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد نے جو زبانیں اختیار کیں، وہ سامی زبانیں کہلاتی ہیں اور اُن کے مذاہب سامی مذاہب۔ سامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام شامل ہیں۔ زبانیں تشکیل وترویج اور تعدیم کے مراحل سے گزرتی رہتی ہیں۔ سو متعدد سامی زبانوں میں سے، بہت سی زبانوں کا وجود، گردش دوراں نے مٹا ڈالا۔ ان زبانوں میں سے آج دو زبانیں مروّج ہیں۔ ایک عربی اور دوسری عبرانی، جو اسرائیل میں بولی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم سامی زبانوں کے خاندان کی ایک اہم زبان، عربی میں نازل ہوا۔

قرآن کے لفظی معنی ہیں: ایسی کتاب، جو بہت زیادہ پڑھی جاتی ہو۔ اِس کے معنی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک ایسی کتاب کے بھی لیے جاتے ہیں، جو زبان پر چڑھ جاتی ہو۔(۵) یہی وجہ ہے کہ قرآن واحد ایسی کتاب ہے، جو لوگوں کو پوری کی پوری یاد ہو جاتی ہے۔ اِس حقیقت میں کسی دوسری رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ واحد ایسی کتاب ہے، جس کے حفاظ دنیا میں سب سے زیادہ ہیں۔ جہاں تک باقی الہامی کتابوں کا تعلق ہے، وہ اب دُنیا میں من وعن موجود ہی نہیں ہیں، کیوں کہ اِن کے جو نسخے دست یاب ہیں، وہ تحریف شدہ حالت میں ہیں۔ قرآن کی عظمت کے حوالے سے یہ بات لائقِ توجہ ہے کہ اِس وقت دنیا میں مذہبی تقدس کی حامل کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کا کوئی ایک بھی حافظ ڈھونڈے نہ ملے گا۔ گرنتھ کا، بائبل کا، تورات کا، ویدوں کا، اوِستا کا کوئی حافظ کسی نے کبھی دیکھا؟ لیکن یہ بات کتنی حیران کن ہے کہ قرآنِ کریم کے دس دس سال کی عمر کے حفاظ، آپ عالم اسلام کے کونے کونے میں دیکھ سکتے ہیں۔ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں لکھا ہے کہ قرآن کا حفظ کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔(۶) گویا مسلمانوں کی بستیوں میں

۵۔ الآلوسی، شہاب الدین محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن المجید والسبع المثانی، بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۷ء/۱۴۱۷ھ، ج۱، ص۱۹۔
ابوعبید، معمر، مجاز القرآن (تحقیق، فواد سیزگین)، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۱ء/۱۴۰۱ھ، ج۲، ص۲۷۸۔

۶۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، الریاض، مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء/۱۴۱۶ھ، ج۱، ص۱۹۹۔

کوئی نہ کوئی ایسا شخص ضرور ہونا چاہیے، جو قرآن کریم کا حافظ ہو، اور اِسے مستقلاً یاد رکھے۔

قرآنِ کریم کے اس اجمالی تعارف کے بعد ہمیں دراصل یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے امتیازات اور خصوصیات ہیں، جو اسے دیگر الہامی اور سماوی کُتُب سے ممتاز کرتی ہیں۔ قرآن، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، عربی زبان میں اُترا۔ عربی زبان کی تاریخ جو ہم تک پہنچی ہے، وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے تک کی ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ قرآن کے نزول سے قبل، زبان کی نشوونما اور ارتقا کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اہتمام کیا، وہ بھی کسی اور الہامی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔(۷)

پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے، چالیس سال کی عمر میں باقاعدہ وحیِ الٰہی کا سلسلہ شروع ہوا۔ مکہ معظّمہ آنحضورؐ کی ولادتِ مبارکہ سے سو سال پہلے سے ہی ایک بین الاقوامی شہر (Cosmopolitan City) کا درجہ اختیار کر چکا تھا۔ اُس وقت تک جو دنیا موجود تھی، اُس کے کونے کونے سے؛ یعنی موجودہ افریقہ کی آخری حدوں، یورپ کے شمال، فلسطین کے علاقوں اور چین تک سے، گرمیوں اور سردیوں میں، تجارتی قافلے آیا کرتے اور مکہ مکرمہ میں قیام کیا کرتے۔ محرم الحرام، شوال، ذیقعد اور ذوالحجہ کے مہینوں میں، جن کو اسلامی تاریخ میں حرام، یعنی بہت ہی حرمت والے مہینے قرار دیا گیا ہے، جزیرۃ العرب، خاص طور پر مکہ مکرمہ کے گردونواح میں، ثقافتی میلے منعقد ہوتے۔ ان میلوں میں ایک بڑا میلہ ''سوقِ عکاظ'' کہلاتا ہے۔ سوق کے معنی عربی میں میلے کے ہیں۔ ''سوقِ عکاظ'' کے علاوہ چھوٹے بڑے کئی اور بھی انسانی اجتماع ہوتے ؛جس میں پورے جزیرۃ العرب کے لوگ شریک ہوتے، بڑے بڑے خطیب اور زبان

۷۔ المصنّف السابق، المزہر فی علوم اللغۃ وأنواعھا، مصر، عیسی البابی الحلبی وأولادہ، الطبعۃ الثانیۃ، ج۱، ص۱۲۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

دان آتے، جو اپنے خطبے سناتے، بڑے بڑے شعرا آتے، جو وہاں کی شعری مجالس میں اپنے قصیدے سناتے اور یوں اُن کے ذوق، فکر وفن اور ذہنی اپج کو مقابلے کی میزان پر تولا جاتا۔ جو قصیدہ اول آتا، اپنی شعری عظمت کے شرف کے طور پر خانہ کعبہ کے غلاف کے ساتھ لٹکا دیا جاتا۔ یہاں لٹکے ہوئے قصائد کو عربی ادبیات کی تاریخ میں معلقات کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یعنی کعبہ کے ساتھ لٹکے ہوئے مایۂ ناز قصیدے۔(۸)

عربوں کے مزاج کے حوالے سے یہ چیز حیران کن ہے کہ جوں ہی حرمت والے مہینوں میں سے کسی مہینے کا چاند نظر آتا، سونتی ہوئی تلواریں واپس اپنے نیاموں میں ڈال دی جاتیں۔ گویا چار مہینے عالمِ عرب میں امن کے ایسے مہینے تھے، جن میں کوئی شخص تجارتی قافلوں پر حملہ کر سکتا تھا نہ کسی کی جان لے سکتا تھا۔ ایسی ایسی طویل جنگیں، جو عرب قبائل کے درمیان مسلسل چالیس چالیس سال تک لڑی گئیں، مثلاً حربِ بسوس وغیرہ میں بھی، حرمت والے مہینوں کی حرمت کا اِس قدر لحاظ رکھا جاتا کہ اوزارِ حرب وضرب اتار کر سارے دشمن اکٹھے بیت اللہ کے اردگرد اپنا اپنا کاروبار کرنے لگتے۔(۹) امن کے ان چار مہینوں میں، یونان، مصر اور افریقہ وغیرہ دُور دراز علاقوں سے جو لوگ یہاں آئے ہوئے ہوتے، اپنا مال یہاں بیچتے اور حرام مہینوں کے اختتام سے قبل اپنے وطنِ مالوف کو واپس چلے جاتے۔ اِن چار مہینوں میں مختلف قوموں کے مختلف زبانیں بولنے والے لوگ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہتے۔ یوں مکہ مکرمہ کی زبان پر ایک ایسا اثر مرتب ہوا کہ اُس میں یونانی،

۸۔ المرجع السابق۔

۹۔ الطبری، ابن جریر، جامع البیان عن تاویل ای القرآن، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۸ھ، ج۱، ص۸۔۹۔
السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، ج۱، ص۳۳۔

لاطینی، ہندی اور فارسی الفاظ شامل ہوتے چلے گئے۔ گویا اُس وقت کی عربی بہت سے معرّب الفاظ(۱۰) اور جزیرۃ العرب کے مختلف عرب قبائل کے مختلف لہجوں کے محاسن کا خوبصورت مجموعہ بن چکی تھی۔ میں لسانیات کے ایک طالب علم کے طور پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآنِ کریم کا متن اترنے سے پہلے، وہ زبان جس کو ہم ''اللغة العربية المشتركة'' یعنی ''The Common Arabic Language'' کہتے ہیں، دراصل اُس وقت مکہ مکرمہ میں اشرافیہ، یعنی پڑھے لکھے لوگوں کی زبان تھی۔ یہی زبان سارے قبائل میں برابر پسند کی جانے والی اور شعرا و خطبا کی زبان تھی۔(۱۱)

جامع اور الوہی تعلیمات پر مبنی کتاب کی زبان کو تائید ایزدی سے جو حالات میسّر آئے، وہ کسی اور زبان کے حصے میں نہیں آئے۔ اسی بات کو شکاگو یونیورسٹی کے پروفیسر جیروسلاو سٹیٹکش (Jaroslav Stetkevych) اپنی کتاب: The Modern Arabic Literary Language میں اپنے انداز سے یوں بیان کرتا ہے:

"Venus -like, it was born in a perfect state of beauty, and it has preserved that beauty in spite of all the hazards of history and all the corrosive

---

۱۰۔ ایسے الفاظ جو بدیسی زبانوں سے لے کر عربی قالب میں ڈھالے گئے ہوں۔

۱۱۔ اس موضوع کو دورِ جدید کے مختلف نامور عربی لغت دان شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتابوں میں زیرِ بحث لائے ہیں، جن میں سے خاص طور پر الدکتور صبحی الصالح کی دراسات فی فقہ اللغۃ اور الدکتور رمضان عبدالتواب کی شہرہ آفاق کتاب فصول فی فقہ العربیۃ قابلِ ذکر ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

forces of time."(12)

''وینس (حسن ومحبت کی دیوی) کی مانند عربی بھی وقتِ ولادت ہی سے حسن ورعنائی کے اوج کمال پر تھی۔ اوراس زبان نے تاریخ کی جملہ دشواریوں اوروقت کی بے رحم اورموذی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے [آج تک] اپنے حسن و جمال کی حفاظت کی ہے۔'' لسانیات کی سمجھ بوجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر چالیس پچاس میل کے بعد زبان کا لہجہ یا لوگوں کا Vocal Cords' Behaviour کسی حد تک بدل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں پنجابی اور اُردو زبانوں کے مختلف لہجوں میں بھی یہ حقیقت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اُردُو میں لکھنؤ کا لہجہ اور ہے، دہلی کا اور۔ پنجابی میں بھی پنجاب کے مختلف علاقوں کے مختلف لہجے ہیں۔ سیالکوٹ، گوجرانوالہ وغیرہ کا لہجہ اور ہے، فیصل آباد، ساہیوال وغیرہ کا اور۔ سرائیکی میں بھی اَحمد پور لمے کا لہجہ اَور ہے، ڈیرہ غازی خان کا اَور۔ مثلاً ''اِدھر اُدھر'' کو ایک علاقے میں لوگ ''اَیدھر اُودھر'' کہتے ہیں، دوسرے میں ''ایتل اوتل'' اور تیسرے میں ''ایڈھے اوڈھے'' وغیرہ۔ سندھ کی حدود میں داخل ہوں تو اسی مفہوم کے لیے ''ہیڈھے ہوڈھے'' کے الفاظ سننے کو ملتے ہیں۔ لسانی تبدیلی وترمیم کی یہی صورت عربوں میں بھی موجود تھی۔ ایک علاقے یا قبیلے میں ایک لفظ کو ایک انداز سے ادا کیا جاتا اور دوسرے علاقے یا قبیلے میں دوسرے انداز سے۔ ایک لہجے کے لوگ ''ہ'' سہولت سے بولتے تھے، جب کہ دوسرے لہجے کے لوگ اس آواز کو ''الف'' سے بدل دیتے تھے؛ بالکل اسی

12. Stetkevych, Jaroslav, The Modern Arabic Literary Language_Lexical and Stylistic Developments, The University of Chicago Press ,1970, p.1.

طرح جیسا کہ اوپر ''اِدھر اُدھر'' کے الفاظ کے حوالے سے پنجابی لہجوں کے اختلاف کا ذکر ہوا۔ اِسی لسانی حکمت کے پیشِ نظر قرآنِ کریم ''اللغة العربية المشتركة'' یعنی ''The Common Arabic Language'' میں اتارا گیا، جو سبھی لہجات کے محاسن کا مجموعہ تھی۔

اللغة العربية المشتركة کی ساخت، مزاج اور اجزائے ترکیبی کو سمجھنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباس کی جانب منسوب کتاب اللغات فی القرآن پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔ عربی لسانیات میں لفظ ''لغات'' لہجات کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کتاب اللغات فی القرآن'' ابن حسنون کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس کتاب کو چھ دہائیاں پیشتر عربی کے عظیم سکالر صلاح الدین المنجّد نے تدوین کے بعد شائع کیا۔ اس مختصر کتاب میں سیدنا عبداللہ بن عباس کتاب اللہ میں استعمال ہونے والے ۲۶۵ الفاظ کو موضوع بناتے ہیں اور ان کی رائے میں ۲۶۵ قرآنی الفاظ میں سے صرف ۱۰۴ قریشی الاصل ہیں اور باقی ۱۶۱ الفاظ جزیرۃ العرب کے مختلف ۲۷ قبائل سے لیے گئے ہیں۔ (۱۳)

اس ضمن میں یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ امام العجلونی نے کشف الخفاء میں بیان کیا ہے کہ آنحضورؐ کی خدمت میں قبیلہ بنو سُلیم کا ایک وفد حاضر ہوا (قبیلہ بنو سلیم کی زبان قریشی لہجے سے خاصی مختلف تھی)۔ آپؐ کے پاس حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تشریف فرما تھے۔ بنو سلیم کے لوگ آپؐ سے بات کرتے رہے اور آپ ان کے سوالات کے جوابات بھی دیتے رہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ آپؐ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

ما قال لک وما قلتَ له لم نفهم هذا.

۱۳۔ عبداللہ بن عباس، کتاب اللغات فی القرآن، تحقیق: صلاح الدین المنجّد، القاہرہ، ۱۹۴۶ء، ص ۵-۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"بنو سلیم کے نمائندے نے آپ سے جو کچھ کہا اور جو کچھ آپ نے اس سے فرمایا، ہمیں کچھ سمجھ نہیں آیا۔"

پھر کہا:

ما رأیتُ افصح منک یا رسول اللہ فمن ادَّبک .

"یا رسول اللہ! میں نے آپؐ سے زیادہ فصیح کوئی نہیں دیکھا۔ آپ کو یہ لہجات کس نے سکھائے ہیں۔"

آپؐ نے فرمایا:

ادَّبنی اللہ فاحسنَ تادیبی و نشئتُ فی بنی سعد.

"مجھے یہ (لہجے اور زبانیں بولنا) اللہ نے سکھایا ہے۔ اور میں بنی سعد میں پلا بڑھا ہوں۔" (۱۴)

جزیرۃ العرب کے سبھی لہجات کے محاسن کا مجموعہ قرآن کریم کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

جزیرۃ العرب کی یہی **اللغۃ العربیۃ لمشترکۃ** (مشترک عربی زبان) وہاں کی اشرافیہ، ادبا اور شعرا کی زبان تھی۔ اسی پاکیزہ اور منجھی ہوئی زبان میں قرآن کریم نازل کیا گیا۔ اگر کوئی اس زبان کے مقاییس اور منضبط کردہ اصولوں کے خلاف پیرایہ اظہار اختیار کرتا تو اس کا محاسبہ کیا جاتا۔ ابو الطیب اللغوی، مراتب النحویین میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کی مجلس میں [قرآنی اسالیب کے برعکس] غلط انداز میں اپنا موقف بیان کیا، تو آپ ﷺ نے دیگر صحابہ سے فرمایا: "**ارشدوا اخاکم** ---------" "اپنے بھائی

۱۴۔ العجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء ومزیل الالباس، دمشق، مکتبۃ الغزالی، ب۔ت، ج۱، ص۷۰۔

(جو کج رو ہو گیا ہے) کی راہنمائی کرو" (۱۵) سیدنا عمر بن الخطاب اور سیدنا عمر بن عبد العزیز کے ایسے بیسیوں واقعات ہیں جن میں آپ حضرات نے گورنروں کو خطوط یا وفود میں آنے والے لوگوں کی زبان کی اغلاط پر نشاندہی کی اور انہیں قرآنی استعمالات کی مطابقت میں لفظوں کے استعمال اور پیرایہ اظہار اختیار کرنے کی تاکید فرمائی۔ (۱۶) تاریخ ادب عربی کی اکثر کتب میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی کو قرآن کریم کے کسی لفظ یا ترکیب کو سمجھنے میں دشواری پیش آتی تو سیّدنا عمرؓ اسے مشورہ دیتے: **فَتِشُوْہ فی اشعار العرب**" اس چیز کو عربوں کی شاعری میں تلاش کرو تا کہ تم قرآن کریم کے پیرائے کو درست طور پر سمجھ سکو۔ امام شاطبی نے الموافقات میں نقل کیا ہے: "قال عمرؓ: **ایھا الناس تمسکوا بدیوان شعرکم فی جاھلیتکم فانّ فیہ تفسیر کتابکم**" "اے لوگو! عربوں کی زمانہ قبل از اسلام کی شاعری کے ریکارڈ کو پیش نظر رکھو کیونکہ اسی سے تم اپنی کتاب (قرآن کریم) کو [ڈھنگ سے] سمجھ پاؤ گے۔ (۱۷)

یہی بات سیّدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمائی: "**الشعر دیوان العرب فاذا خفی علینا الحرف من القرآن الذی انزلہ اللہ بلغۃ العربی رجعنا الی دیوانھا فالتمسنا ذلک**" یعنی شاعری ہی عربوں کی زندگی کا ریکارڈ اور دیوان ہے۔ جب ہمیں قرآن کا کوئی لفظ جو اللہ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے سمجھ نہیں آتا تو ہم عربی شاعری کی

۱۵۔ مطر، عبدالعزیز، لحن العامۃ فی ضوء الدراسات اللغویۃ الحدیثۃ، القاہرۃ، ۱۹۸۱ء، ص۱۷۔۳۶

۱۶۔ امیل یعقوب، معجم الخطأ والصواب ص۲۲۔۲۴

۱۷۔ الشاطبی، ابو اسحاق ابراھیم بن موسی الغرناطی المالکی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، القاہرہ ۲۰۰۶ء ج۱ ص۳۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جانب رجوع کرتے ہیں اور ہمیں وہاں سے اس کا صحیح مفہوم مل جاتا ہے۔(۱۸)

عربوں کا ایک امتیازی وصف یہ بھی تھا کہ وہ زبان کے عاشق تھے۔ کسی اچھی گفتگو کرنے والے اور زبان کی باریکیوں اور نفاستوں سے آگاہ شخص کو عرب معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور اِس خوبی کی بنیاد پر اُس کی بہت پذیرائی ہوتی۔ جس قبیلے میں کوئی شاعر پیدا ہوجاتا، اُس میں جشن منایا جاتا۔ اللہ کا ایک نظام اور قانونِ قدرت، جو فی الواقع انسانی نفسیات کی بڑی گہری بصیرت سے عبارت ہے، یہ رہا ہے کہ جس نبی کو جو معجزہ عطا ہوا، وہ اس کی قوم اور معاشرے کے مزاج، ماحول، نفسیات، دلچسپیوں اور مرکزِ نگاہ بننے والی چیزوں کی رعایت سے عطا ہوا۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں جادو کا زور تھا۔ سو حضرت موسیٰؑ کو عصا اور یدِ بیضا کی شکل میں وہ معجزہ عطا ہوا کہ جادوگر عاجز آ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بہت چرچا تھا۔ ایسے بڑے بڑے اور فاضل اَطِبّا تھے کہ دُور ہی سے ایک آدمی کے چہرے مہرے اور چال کو دیکھ کر اُس کی بیماری کی تشخیص کر دیتے تھے؛ سو جناب مسیح علیہ السلام کو ایسا معجزہ دیا گیا کہ بیماروں کی تشخیص و علاج تو کجا آپ مردے کو زندہ کر دیتے۔ آنجناب علیہ السلام "قُم باذن اللّٰہ" یعنی: اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جاؤ، کہتے اور مردہ زندہ ہو جاتا؛ پیدائشی اندھوں کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر انہیں بینا کر دیتے؛ لوگوں کو بتا دیا کرتے کہ انہوں نے کیا کھایا اور کیا بچا کر رکھا ہے۔ حضورؐ کو عربوں کی زبان آوری کی رعایت سے قرآن کی صورت میں ایسا معجزانہ کلام عطا ہوا کہ اسے سن کر بڑے بڑے زبان دان اور شعرا و خطبا دنگ رہ گئے، اور اُنہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں؛ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، بڑے بڑے شعرا کے قصیدے اوّلیت کا شرف پا کر خانۂ کعبہ کے ساتھ آویزاں ہونے کے مستحق قرار پاتے تھے؛

۱۸۔ السیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱ ص ۱۲۰

جب آپؐ پر سورۃ الکوثر اُتری:

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَر. فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ. اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ. (۱۹)

"بے شک ہم نے آپ کو کوثر عنایت فرمائی ہے، پس اپنے رب کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بلاشبہ تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔"

تو حضورؐ نے اِس سورہ مبارکہ کو لکھوا کر کعبہ کے ساتھ آویزاں کر دیا۔ کسی عرب شاعر نے یا بہت بڑے عربی دان نے، ایک چوتھی لائن کا اضافہ بایں الفاظ کیا:

اِنَّ ھٰذَا لَیْسَ بِکَلَامِ الْبَشَر.

"یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے"۔(۲۰)

یہ پذیرائی، قرآنِ عظیم کا یقینی حق تھا۔ قرآن کی صداقت اور فصاحت و بلاغت کے حوالے سے تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ابوجہل، ابوسفیان، عتبہ، شیبہ اور قرآن کے بڑے بڑے دشمن بھی، راتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے ہوئے، چپکے چپکے آ کے سنتے اور ایسی فصیح و بلیغ زبان پر سر دھنا کرتے۔(۲۱) اُن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ ہرگز کسی

۱۹۔ القرآن، الکوثر ۱۰۸:۱-۳۔

۲۰۔ وافی، عبدالواحد، فقہ اللغۃ۔ لجنۃ البیان العربی، ۱۳۸۸ھ، ص ۱۰۸۔ ابن الانباری، محمد بن قاسم، کتاب الایضاح عن الوقف والابتداء، دمشق، ۱۹۷۱ء، ص ۱۲۔
مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: عمر فروخ، المنہاج فی الادب العربی وتاریخہ، بیروت، المکتبۃ العصریۃ۔

۲۱۔ القلقشندی، ابوالعباس، احمد بن علی، صبح الأعشی فی صناعۃ الأنشاء، دار الثقافۃ والارشاد القوافی، الموسسۃ المصریۃ، ب۔ت، ج ۱، ص ۱۴۹۔ البیھقی، الخصائص الکبری، بیروت، دار الفکر، ب۔ت، ص ۱۱۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

انسان کا کلام نہیں، لیکن یہ محض اُن کی ہٹ دھرمی تھی کہ زبان سے اِس حقیقت کا اقرار نہ کرتے تھے۔ ایمان اور تسلیم کی خُو اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور یہ توفیق الٰہی ہی سے ارزانی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی۔ قرآن لوگوں کو کس زبردست انداز سے متاثر کرتا تھا؟ اس حوالے سے مسلم ادبیات کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ حبشہ کا عیسائی بادشاہ اصحمہ نجاشی حضرت جعفر طیارؓ سے سورہ مریم کی چند آیات سن کر اشکبار ہو گیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ جو حضورؐ کو شہید کرنے کے ارادے سے نکلے تھے، قرآن کریم کی چند آیات سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ عتبہ بن ربیعہ کفار کی طرف سے دنیاوی لالچ پیش کرنے کی غرض سے حضورؐ کے پاس پہنچا۔ حضورؐ نے سورۂ حم السجدہ کی چند آیات تلاوت فرمائیں۔ وہ اس قدر متاثر ہوا کہ واپس آ کر کفار سے کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تم لوگ قرآن کو جادو اور شاعری کہتے ہو۔ میں جادو اور شاعری کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کر رہے ہیں، اس جیسا کلام میں نے آج تک نہیں سنا۔ یہ جادو و شاعری سے بالکل مختلف چیز ہے۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا:

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است (۲۲)

''میرے دل میں جو راز پوشیدہ ہے، فاش کیے دیتا ہوں۔ جان لو: یہ قرآن محض کتاب نہیں کوئی بڑی ہی منفرد و بے نظیر چیز ہے۔''

حضورؐ کے وصال کے فوراً بعد مرتدین کا فتنہ اٹھا۔ بہت سارے لوگ اسلام سے پھر گئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال پذیرائی کو دیکھ کر کئی لوگ نبوت کے دعوے دار

۲۲۔ اقبال، علامہ محمد، حوالہ مذکور، ص ۶۶۹۔

بن بیٹھے۔ اُن میں جو کوئی زبان دان تھے، اُنھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ جبرائیل علیہ السلام ہمارے پاس آتے اور وحی لاتے ہیں۔ جھوٹے مدعیان نبوت میں سے ایک شخص مسیلمہ کذّاب تھا۔ یہ شخص قرآنِ کریم اور آں جنابؐ کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اس نے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں، دعویٰ کیا کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ اِس دعویٰ کذب و افترا پر حضرت خالد بن ولیدؓ نے اُسے ''حدیقۃ الرحمٰن'' میں، جو موجودہ ریاض کے قریب ایک علاقہ ہے، واصل جہنم کیا۔ (۲۳) اِس قسم کے دعووں کے زیرِ اثر، جھوٹی آیات و وحی کے جو متعدد نمونے سامنے آئے، یہاں ان میں سے ایک کا ذکر کیا جاتا ہے، کسی جویائے علم و تحقیق نے مزید نمونے ملاحظہ کرنا ہوں، تو وہ ابن کثیر کی کتاب 'البدایۃ والنہایۃ' کے مطالعہ سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ (۲۴) مسیلمہ کذاب نے سورۃ القارعۃ سن رکھی تھی:

اَلْقَارِعَةُ. مَا الْقَارِعَةُ . وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَةُ . يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ. وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ . فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ . فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ . وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ . فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ . وَمَآ اَدْرٰکَ مَاهِيَهْ .نَارٌ حَامِيَةٌ. (۲۵)

''کھڑکھڑانے والی۔ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تمہیں کیا معلوم کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ (وہ قیامت ہے) جس دن لوگ یوں ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے

۲۳۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ب۔ت، ص ۱۱۵۔

۲۴۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، بیروت، دارالفکر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ، ج ۵، ص ۲۸۔۳۳۔

۲۵۔ القرآن، القارعۃ، ۱۰۱:۱-۱۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پتنگے۔اور پہاڑیوں ہو گے جیسے رنگ برنگ کی دھنکی ہوئی اون۔تو جس کے (اعمال کے)وزن بھاری ہوں گے ،وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔اور جس کے وزن ہلکے نکلے،اس کا مرجع ہاویہ ہے،اور تمہیں کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ آگ ہے بھڑکتی ہوئی۔''

اِس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے،اورانسانوں پر واضح کیا گیا ہے کہ یہاں اُن کا قیام مستقل نہیں ہے اور عنقریب وہ دِن ظاہر ہونے والا ہے، جب انسان پتنگوں کے مانند اڑتا پھرے گا،اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوا کے دوش پر سوار ہوں گے۔مسیلمہ کذّاب سے جب لوگوں نے استفسار کیا کہ اُس پر کیا وحی نازل ہوئی ہے؟ تو اُس نے نے کچھ عبارات گھڑ کر اپنی وحی کے طور پر پیش کیں۔(۲۶) سورۃ القارعۃ کے آہنگ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُس نے جو الفاظ گھڑے،وہ کچھ یوں ہیں:

" الفیلُ .ما الفیل . وما ادراک ماالفیل . لهُ خرطومٌ طویل .ٌ وله' ذنب قصیر. "(۲۷)

''ہاتھی،تمھیں کیا معلوم کہ ہاتھی کیا ہوتا ہے؟تم کیا جانو کہ ہاتھی کیا ہے؟ اُس کی لمبی سونڈ اور چھوٹی سی دُم ہوتی ہے۔''

یہ بالکل ایسے ہی ہے، جیسے بچے ٹوٹ بٹوٹ کی کہانیاں سنتے ہیں۔کہاں یہ فضول ولا

۲۶۔ الطبری،ابن جریر،تاریخ الطبری،بیروت،الموسسۃ العلمیۃ للمطبوعات،۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ،ج۳،ص۱۳۱۔

مصطفیٰ صادق ،الرافعی،اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ،بیروت، دارالکتاب العربی،ب۔ت،ص۱۷۳۔۱۷۴۔

۲۷۔ الخطابی والجرجانی،فی ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن،مصر،دارالمعارف،ب۔ت، ص۵۰۔۵۵۔

یعنی تک بندی اور کہاں قرآن !ایک معمولی سا صاحبِ فہم بھی اس عبارت کو قرآن کے مقابل دیکھ کر اِس کی ہنسی اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا۔قرآن نے اپنے بے نظیر کلام ہونے کا دعوی کرتے ہوئے چیلنج کیا تھا:

وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ص وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَ کُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.(۲۸)

''اور اگر تمہیں اس (کلام) میں، جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا، کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔اور(اس کام کے لیے)اللہ کے علاوہ، اپنے حمایتیوں اور مددگاروں کو بھی بلالو،اگر تم سچے ہو۔''

لیکن قرآن کی صداقت کا یہ منہ بولتا ثبوت ہے کہ گزشتہ ساڑھے چودہ سو برس میں ایک بھی ایسی تحریر پیش نہیں کی جاسکی، جو فکری وفنی محاسن کے اعتبار سے کسی بھی طرح قرآن کے برابر کہی جا سکے۔ یہاں قرآن کے معارضہ کی جدید کوششوں اور ان کی ناکامی کی دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۹۷۲ء میں مصر میں دارالمعارف نے الانجیل للقدیس متّی کے نام سے انجیل متّی (Gospel of Mathew) کا عربی ترجمہ شائع کیا۔ یہ ترجمہ پروفیسر زکی شنودہ،ڈاکٹر مراد کامل،ڈاکٹر باھور لبیب اور پروفیسر حلمی مراد ایسے بڑے بڑے مسیحی عرب ادیبوں (۲۹) پر مشتمل ایڈیٹوریل بورڈ نے تیار کیا۔اس ترجمہ کے لیے قرآنی ذخیرہ الفاظ کا سہارا لیا گیا۔اور پورے ترجمہ میں ساری عبارتیں قرآنی اسلوب کی نقالی کرنے کے ساتھ

۲۸۔ البقرۃ۲:۲۳۔

۲۹۔ واضح رہے کہ بہت سے عرب مسیحی ہیں، لبنان میں کم وبیش چالیس یا پچاس فی صد مسیحی آباد ہیں۔اسی طرح مصر میں بھی مسیحیوں کی کافی تعداد ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ساتھ قرآنی الفاظ سے ترتیب دی گئیں۔ اور یوں گویا انجیل متیؔ کو قرآن کے مقابل لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن بایں ہمہ قرآن اور الانجیل للقدیس متیؔ میں بعدالمشرقین صاف ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ چند مثالیں دیکھیے:

قرآن کریم میں ہے:

اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا .(۳۰)

انجیل مقدس میں نقل کیا گیا ہے:

وحین اتوا الی البیت رأوا الصبیَّ مع مریم،فخرّوا وسجدوا له.(۳۱)

درج ذیل آیت میں قرآنی اسلوب ملاحظہ ہو:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ.(۳۲)

انجیل مقدس میں قرآنی انداز اپنانے کی کوشش یوں کی گئی:

وضرب لهم مثلاً آخر.(۳۳)

سورہ لقمان کی حسب ذیل آیت میں اسلوب قرآنی ملاحظہ ہو:

اِنَّهَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ .(۳۴)

انجیل مقدس میں حبّة خردل کی ترکیب ملاحظہ فرمائیں:

۳۰۔ القرآن، مریم ۱۹:۵۸۔

۳۱۔ الانجیل للقدیس متیؔ ۲:۱۱، ص ۱۲۔

۳۲۔ القرآن، یٰسین ۳۶:۷۸۔

۳۳۔ الانجیل للقدیس متیؔ ۱۳:۳۱، ص ۸۱۔

۳۴۔ القرآن، لقمٰن ۳۱:۱۶۔

یشبه ملکوت السماوات والارض حبّة خردل.(۳۵)

علامہ طنطاوی جوہری، جو ۱۹۲۱-۲۰ء کے لگ بھگ فوت ہو گئے تھے، 'جواہر القرآن' میں لکھتے ہیں کہ فرانس میں مستشرقین کی بہت بڑی کانفرنس ہوئی، جس میں اُنھوں نے کہا کہ آپ کے پاس قرآن کے Un-immitable ہونے کی کیا دلیل ہے۔ علامہ جوہری نے مستشرقین کو جواب دیا کہ مجھے اِس تصوُّر کو عربی میں ڈھال دیجیے کہ جہنم بہت وسیع ہے، یہ کبھی نہیں بھرے گی، تو سارے مستشرق جو عربی زبان کے جید علما تھے، اُنھوں نے اپنے اپنے طور پر اس تصوُّر کو عربی میں بیان کیا کہ: ''لن تملاء جهنم'' جہنم کبھی نہیں بھرے گی؛ ''اِن الجهنم واسعة'' جہنم بہت وسیع ہے؛ ''اِن الجهنم لواسعة'' یقیناً جہنم بہت وسیع ہے۔ ''ان الجهنم کبیرة جداً'' یقیناً جہنم بہت بڑی ہے۔ دس پندرہ پیرایوں میں انھوں نے اِس خیال کو عربی میں بیان کیا، تو علامہ طنطاوی جوہری، مستشرقین سے گویا ہوئے کہ اب میں تمھیں بتاتا ہوں کہ قرآنِ کریم نے اس تصوُّر کو کس طرح بیان کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ .(۳۶)

''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی؟ اور وہ گویا ہوگی: کیا کچھ اور بھی ہے؟''

کوئی مستشرق وُسعت کے اِس تصوُّر تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اُنھوں نے اِس بات کو تسلیم کیا کہ اس کتاب سے زیادہ بلیغ کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے۔(۳۷)

۳۵۔ الانجیل للقدیس متیؔ ۱۳:۳۱، ص ۸۱۔

۳۶۔ القرآن، ق ۵۰:۳۰۔

۳۷۔ طنطاوی، جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن (بذیل سورۃ الاعراف: ۱۸، سورۃ ق: ۳۰)، بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۱ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں ایک پہلو اور غور طلب ہے کہ دنیا کی ساری پُرانی زبانیں رفتہ رفتہ زمانے کی دستبرد کا شکار ہوتی گئیں۔ مثلاً؛ برصغیر کے قدیم زمانے میں ہند میں سنسکرت کا طوطی بولتا تھا؛ لاطینی زبان پورے سنیٹرل یورپ میں بولی اور سمجھی جاتی تھی؛ اِسی طرح کسی زمانے میں یونانی زبان کا بڑا چرچا تھا۔ یہ ساری زبانیں اپنی موت آپ مر گئیں، اور اِن کا رواج متروک ہوگیا؛ مگر عربی زبان اپنے تمام تر شکوہ اور توانائی کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ دیگر زبانوں کے معدوم ہوجانے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان ساری زبانوں کو دراصل قرآن جیسی کسی کتاب کی سرپرستی حاصل نہ ہوئی۔ قرآن کے اعجاز کا ایک بہت بڑا پہلو یہ بھی ہے کہ اِس کے وسیلے سے عربی زبان آج تک اُسی طرح تروتازہ ہے، جیسے آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے تھی۔ زبانوں کی تبدیلی کا احوال ملاحظہ کریں تو قرآن کے اعجاز کا یہ پہلو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔ عربی کے علاوہ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو ساڑھے چودہ سو سال تو درکنار، صرف تین چار سو سال تک بعینہٖ اپنی حالت پر قائم رہ سکی ہو۔ آج کی سب سے ترقی یافتہ اور بین الاقوامی زبان انگریزی ہی کو دیکھ لیجیے۔ انگریزی کا مشہور شاعر Chaucer (المتوفّٰی ۱۳۹۹ء)، جس کی نظمیں کلاسیکل لٹریچر کے ضمن میں، ہمارے ہاں ایم۔اے انگریزی وغیرہ کے نصاب میں بھی شامل ہیں، کی انگریزی آج کی انگریزی سے یکسر مختلف ہے۔ یہاں تک کہ آج کا کوئی بھی انگریزی دان، جس کو چوسر کی شاعری کا علم نہ ہو، یا اس نے کسی ماہر استاد سے اسے پڑھا نہ ہو، نہ صرف یہ کہ سمجھ نہ سکے گا، بلکہ اسے کسی طرح انگریزی شاعری ہی قرار نہ دے گا۔ اُردو کو دیکھیں تو ولی دکنی کے زمانے کی اردو اور آج کی اردو میں زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ وعلیٰ ھذا القیاس، آج دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جو صرف چار پانچ سو سال سے بعینہٖ موجود ہو۔ اس کے برعکس عربی زبان آج بھی وہی ہے، جو نزول قرآن کے زمانے میں تھی۔ عربی زبان کے اس حیرت انگیز بقاودوام کا راز قرآن کریم ہے۔ یہ عربی مقولہ اپنی جگہ انتہائی اہم ہے:

"لو لاالقرآن لما کانت العربیة"

"اگر قرآن نہ ہوتا تو عربی زبان بھی باقی نہ رہتی۔"

آج کے دور میں چھوٹی بڑی بائیس عرب ریاستیں ہیں؛ ان ساری عرب ریاستوں کی دفتری زبان عربی ہے اور یہ عربی بھی وہ ہے، جو قرآنِ کریم سے ماخوذ ہے۔ عربی زبان کے تمام تر قواعد قرآنِ کریم سے لیے گئے ہیں۔ قرآن کریم عربی زبان کی سب سے پہلی اور سب سے بلیغ کتاب ہے اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو عربی زبان بھی موجودہ صورت میں آج باقی نہ ہوتی۔ یہ امر بذاتِ خود قرآن کے مسلسل معجزہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی اپنی جگہ اہم ہے کہ قرآنِ کریم کو بہت آسان بنایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۳۸)

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔"

عربی زبان میں یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے کہ سیکھنے، سمجھنے اور ہدایت پانے والوں کے لیے یہ کوئی مشکل زبان نہیں ہے۔ قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت اسی حقیقت کو واضح کر رہی ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. (۳۹)

"بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو۔"

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مستشرقین نے مختلف عرب ممالک کے مقامی عربی لہجات کو الگ الگ زبان کا درجہ دلوانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔ مثال کے طور پر

۳۸۔ القرآن، القمر ۵۴:۴۰۔

۳۹۔ القرآن، یوسف ۱۲:۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پروفیسر John Haywood یمن میں کم وبیش بیس سال مقیم رہا اور یمن کی عربی زبان کی الگ شناخت کے لیے کوشاں رہا۔ متعدد مستشرقین نے مصر، لیبیا، الجزائر، شام اور سعودی عرب جیسے ممالک کے مقامی لہجات کو الگ الگ زبانوں کے طور پر منوانے کے لیے الگ الگ کتب تحریر کیں۔ چونکہ سبھی چھوٹے بڑے بائیس عرب ممالک کی دفتری زبان فصیح عربی ہی ہے، جو قرآن کے جلو میں ہمیشہ چلتی رہی ہے، چنانچہ مستشرقین کی کوئی کوشش بھی بار آور نہیں ہوئی، اور ان شاء اللہ اس کتاب عظیم کی برکت سے عربی زبان یونہی ایک زندہ زبان رہے گی۔

باب دوم

قرآن کریم اور دیگر صحف سماویہ

صحف سماویہ اور آسمانی کتابوں میں جو مقام و مرتبہ قرآن مجید کو حاصل ہوا وہ کسی اور آسمانی یا الہامی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔ دین متین کی پوری عمارت قرآن مجید اور اس کی اوّلین تشریح یعنی حدیث پر استوار ہے۔ قرآن، عربی زبان وادب کی پہلی مدون کتاب، عربی قواعد کا مصدر اور مسلمانوں کے لیے دستور العمل ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون کا اوّلین ماخذ ہے۔ شاید قرآن کی یہی مرکزی حیثیت ہے جس کے سبب دشمنانِ اسلام نے قرآن ہی کو اپنی تنقید کا سب سے زیادہ نشانہ بنایا ہے۔ دور حاضر کے ایک مشہور امریکی مستشرق پروفیسر آرتھر جیفری نے اپنی ساری عمر بزعم خویش قرآن کریم میں ''تضادات وتناقضات'' ڈھونڈنے میں بے کار صرف کردی، اس نے ایک جگہ بجا طور پر کہا ہے:

"It is sometimes said that Christianity could exist without the New Testament, but Islam certainly could not exist without the Quran."(1)

''عہد نامۂ جدید کے بغیر عیسائیت اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے، لیکن قرآن کے بغیر اسلام باقی نہیں رہ سکتا۔''

---

1. Arthur Jeffery, The Qur'an as Scripture, Russell & Moore Company, New York, 1952, p.1 preface

toobaa-elibrary.blogspot.com

یوں تو قرآن مجید کے معجز، منفرد اور یکتا ہونے کے کئی پہلو ہیں۔ لیکن ہم یہاں قرآن کے معجزہ ہونے کے صرف ایک پہلو کا تذکرہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ گذشتہ تقریباً ساڑھے چودہ سو سال سے، قرآن ہی وہ واحد الہامی کتاب ہے، جو زمانے کی دست برد اور ہر طرح کی تصحیف و تحریف سے محفوظ رہی ہے۔

عربی میں تصحیف کسی لفظ میں نقطے کے آگے پیچھے ہو جانے کو، اور تحریف کسی جملے میں حروف کے اپنی جگہ بدل لینے کو کہتے ہیں۔ گویا قرآن چودہ سو سال سے اُسی حالت میں ہے، جیسے وہ نازل ہوا تھا۔ صدیوں کے سفر میں قرآنی عبارات میں سرمو فرق نہیں آیا۔ یہ ہمیں اس وقت بہتر طور پر سمجھ آئے گا جب ہم دیگر الہامی کتابوں پر ایک نظر ڈالیں گے۔

مسند امام احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے انبیاء کے جم غفیر میں سے تین سو پندرہ کو صاحب کتاب بنایا۔ (۲) وحی کا سلسلہ سیدنا آدمؑ سے لے کر آپ تک جاری رہا۔ وحی کی اس طویل تاریخ میں جو قدیم ترین وحی ہم تک پہنچی ہے، وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی جانب منسوب کی جاتی ہے۔ بیسویں صدی کے وسط میں فلسطین کے علاقے میں بحر مردار (Dead Sea) کے پاس غاروں میں سے کچھ مخطوطات ملے جن میں سے ایک مخطوطے کو حضرت اخنوخ یعنی حضرت ادریسؑ کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ عبرانی زبان میں ادریس کو اخنوخ کہا جاتا ہے۔ (۳) حسن

۲۔ ابن حنبل، احمد، مسند ابن حنبل، بیروت، دار احیا التراث العربی، الطبعۃ الثانیہ، ۹۳
۱۹ء/۱۴۱۴ھ، ج ۶، ص ۲۲۶-۲۲۸۔
ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، الجامعۃ
الاسلامیۃ العالمیۃ، ۱۹۹۹ء، خطبہ نمبر ۱، ص ۱۔

۳۔ الجوزی، جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی، المنتظم فی تواریخ الملوک
والامم، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۱۲۵۔

اخلاق، محبت، بڑوں کا ادب اور بچوں پر شفقت کے بارے میں تاکید پر مشتمل ان چند سطور کے بارے میں ہمارے پاس کوئی قطعی اور حتمی ثبوت نہیں ہے کہ یہ سطور واقعتاً وہی وحی ہے، جسے سیدنا جبرائیل حضرت ادریسؑ کی جانب لائے تھے۔ اس کے بعد قدیم ترین وحی جس کی چار پانچ سطریں ہمیں ملتی ہیں وہ حضرت نوحؑ کی جانب منسوب کی جاتی ہے کہ ان پر وہ وحی کی صورت میں نازل ہوئی تھیں۔ موجودہ عراق میں ''سعدیات'' کے نام سے ایک قبیلہ ہے، جس کا دعویٰ ہے کہ قدیم زمانے میں ان کے پاس مکمل کتاب تھی۔ اب یہی سطور باقی ہیں۔ یہ چند سطور بھی اخلاقی تعلیمات پر مبنی ہیں۔ اور اس تحریر کے منزل من اللہ ہونے کا ہمارے پاس کوئی حتمی اور یقینی ثبوت نہیں ہے۔ (۴)

پیشوایان انسانیت میں سے بعض انسان ایسے ہیں جن کو صراحت کے ساتھ نبی تسلیم کرنا تو مشکل ہے، لیکن ان کی نبوت کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں سے ایک شخصیت زردشت کی ہے۔ ان کو پارسی لوگ نبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی نبوت کا امکان اس بنا پر اور قوی ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں مجوس قوم کا ذکر آیا ہے۔ مجوسیوں کا مذہب زردشت کی لائی ہوئی ''آوستا'' پر مبنی ہے۔ آوستا کے متعلق ہمیں بعض معلومات ملتی ہیں۔ اس کتاب کا قرآن سے موازنہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ کس کو کیا برتری حاصل ہے؟ زردشت کی کتاب اُس زمانے کی ''زند'' زبان میں تھی۔ کچھ عرصہ بعد ایران پر دیگر اقوام کا غلبہ ہوا تو وہاں فاتحین کی زبان رائج ہو گئی اور پرانی زبان متروک ہوتی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بھر میں مٹھی بھر اہل علم اور متخصصین کے علاوہ زند زبان جاننے والا کوئی نہ رہا۔ چنانچہ زردشتی مذہب کے علما نے اپنی مذہبی کتاب کا خلاصہ اور شرح نئی زبان پازند میں تحریر کی۔ آج کل ہمارے پاس اس کا صرف دسواں حصہ موجود ہے، بقیہ غائب ہو چکا ہے۔ اس دسویں حصہ

۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱-۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں کچھ چیزیں عبادات سے متعلق ہیں اور کچھ احکام ہیں۔ مختصر یہ کہ دنیا کی ایک قدیم کتاب کو ہم آوستا کے نام سے جانتے ہیں، لیکن وہ ہمارے پاس مکمل حالت میں موجود نہیں ہے۔ آوستا میں دوسری باتوں کے علاوہ زردشت کا یہ بیان ملتا ہے: ''میں نے دین کو مکمل نہیں کیا۔ میرے بعد ایک اور نبی آئے گا، جو اس کی تکمیل کرے گا۔ اس کا نام ''رحمۃ للعالمین''، ہوگا، یعنی ساری کائنات کے لیے رحمت۔'' (۵)

قدیم دینی کتابوں میں کچھ ہندوستان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ کتابیں خدا کی طرف سے الہام شدہ ہیں۔ ان مقدس کتابوں میں ویداور پران وغیرہ شامل ہیں۔ پران کے معنی پرانے کے ہیں اور یہ تعداد میں دس ہیں۔ ایک پران میں لکھا ہے: ''آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقے میں پیدا ہوگا۔ اس کی ماں نام ''قابل اعتماد'' اور باپ کا نام ''اللہ کا غلام'' ہوگا وہ اپنے وطن سے شمال کی طرف جانے پر مجبور ہوگا اور پھر وہ اپنے ہی وطن کو دس ہزار آدمیوں سے فتح کرے گا اور اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے۔'' (۶)

پرانوں کے ایسے بیانات کی ہندو اور تعبیریں بیان کرتے ہوں گے، مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپؐ کی آمد سے بہت پہلے یہ آپؐ کی تشریف آوری کی بشارت ہے۔

ان پرانی کتابوں کے علاوہ قرآن کریم میں اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی - صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی - (۷) کے الفاظ میں ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں کا ذکر ہے اور وَاِنَّہٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ - (۸) کے الفاظ میں اس چیز کے پرانی کتب میں موجود ہونے کا

۵۔ مرجع سابق، ص۲۔

۶۔ مرجع سابق، ص۲-۳۔

۷۔ القرآن، الاعلیٰ ۸۷:۱۸-۱۹۔

۸۔ القرآن، الشعراء ۲۶:۱۹۶۔

تذکرہ ہے۔ قرآن کریم کے علاوہ تین اور اہم کتابیں ہیں جن کا قرآن ہی میں ہمیں جا بجا ذکر ملتا ہے۔ ان کتب میں سے پہلی توریت، دوسری زبور اور تیسری انجیل مقدس ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے پہلے ان کتب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ توریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی، جو دراصل پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی پانچ کتابوں میں سے ایک کا نام توریت بھی ہے۔ پہلی کتاب ''کتاب پیدائش'' دوسری ''خروج'' تیسری ''توریت (احبار)'' یعنی قانون، چوتھی ''اعداد وشمار'' اور پانچوں کتاب کا نام ''تثنیہ'' ہے۔ تثنیہ کے معنی ہیں: بیان کی گئی چیزوں کا دہرانا۔ یہ آخری کتاب سیدنا موسیٰؑ کی وفات کے کم وپیش چھ سو سال بعد توریت میں شامل کی گئی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت موسیٰ کی وفات، تجہیز وتکفین اور اس کے بعد کے حالات بھی درج ہیں۔ توریت کے ذکر میں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ کرتا چلوں کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد عراق کے حکمران بخت نصر کے عہد میں، پھر روم کے ایک کمانڈر انٹیوکس کے ہاتھوں اور تیسری بار رومن حکمرانوں کے ایک سپہ سالار طیطس (Titus) کے ہاتھوں یہودیوں کو تہہ تیغ کیا گیا اور یہودیوں کی مقدس کتابیں اکٹھی کر کے نذر آتش کر دی گئیں۔ ایک مرتبہ تو محض حافظے کی بنیاد پر تقریباً ۱۰۰ سال بعد توریت کو دوبارہ تحریر کر کے زندہ کیا گیا۔ (۹) یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہود کو بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ موجودہ توریت بالکل اسی انداز میں حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی۔

زبور سیدنا داؤدؑ پر نازل ہوئی۔ یہ الگ اور مستقل کتاب کی صورت میں تو اب موجود نہیں ہے۔ البتہ Old Testament یعنی عہد نامہ عتیق میں Psalms کے نام سے باری تعالیٰ کی حمد وثناء پر مشتمل بہت سے نغمے ہیں۔ جنہیں مسیحی حضرات چرچ میں اتوار کے روز گا کر پڑھتے ہیں۔ یہ کسی کا بھی دعویٰ نہیں ہے کہ یہ نغمات تحریف سے محفوظ ہیں۔ کسی کے

۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

پاس ایسے شواہد بھی نہیں ہیں جن سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ زبور فلاں زبان میں نازل ہوئی تھی۔(۱۰) زبور کے لفظی معنی کتاب کے ہیں اور زبر اس کی جمع ہے۔

تیسری اور اہم کتاب انجیل مقدس ہے جو سیدنا عیسیٰ پر نازل ہوئی۔ انجیل کوئی ایک کتاب نہیں ہے۔ یہ چار اناجیل ہیں جو اپنے چار لکھنے والوں کی جانب منسوب کی جاتی ہیں:

۱۔یُوحَنَّا John — ۲۔مَرقَس Marks

۳۔لُوقا Luke — ۴۔مَتّی Mathew

یہ کتابیں بھی صرف چار نہیں تھیں بلکہ کسی زمانے میں عیسائی مؤرخوں کے بقول ان کی تعداد ستّر سے بھی زیادہ تھی، جن میں سے ان چار کو قابل اعتماد اور باقی کو مشتبہ اور غیر معتبر قرار دے کر رد کر دیا گیا۔ مسیحی دنیا کے پاس کوئی ریکارڈ یا ایسے شواہد نہیں ہیں کہ ان چار انجیلوں کو کیسے منتخب کیا گیا؟ البتہ فرانسیسی مفکر والٹیر (متوفّی ۱۷۷۸ء) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ کلیسا کو خیال پیدا ہوا کہ ستر سے زائد انجیلوں میں سے قابل اعتماد انجیلوں کا انتخاب کیا جائے۔ انتخاب کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ساری انجیلوں کو عبادت گاہ میں ایک میز پر رکھ کر زور زور سے ہلایا گیا، جو گر گئیں وہ ناقابل اعتماد اور جو میز پر باقی رہیں، انہیں قابل اعتماد سمجھا گیا۔ اس وقت جو انجیلیں موجود ہیں ان کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے بعد ۱۱۰ سال تک کسی بھی انجیل کے مربوط کتابی انداز میں موجود ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اور پوری مسیحی دنیا اس بات پر بھی متفق ہے کہ کئی عشروں تک انجیل محض زبانی روایت کی شکل میں باقی رہی۔ سیدنا عیسیٰ نے اپنے کسی حواری یا ساتھی

۱۰۔ مرجع سابق۔

کو یہ نہیں کہا کہ یہ وحی مجھ پر اتری ہے، اسے ضبط تحریر میں لے آؤ۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے کے بعد آپ پر ایمان لانے والوں کو جب یہ احساس ہوا کہ کہیں وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات ضائع نہ ہو جائیں، تو انہوں نے اپنے طور پر آپ کی تعلیمات کو قلمبند کیا۔ گویا ہر انجیل سیدنا عیسیٰ کی ایک سوانح عمری ہے جسے آپ کے بعد لکھا گیا۔(۱۱)

ابھی صرف آٹھارہ سال پیشتر مسیحی دنیا کے جیّد علما Funk Hoover وغیرہ اور Jesus Seminar کے بہت سارے مسیحی اہل علم نے The Five Gospels کے نام سے مذکورہ چاروں اور Thomas کی انجیل کو ایک ساتھ نیویارک سے ۱۹۹۳ء میں شائع کیا ہے۔ Five Gospels کے مرتبین عیسائی علما اناجیل کے بارے میں رائے دیتے ہیں:

"All the gospels originally circulated annonymously. Authoritative names were later assigned to them by unknown figures in the early Church. In most cases, the names are guesses or perhaps the result of pious wishes."(12)

ابتدائی ادوار میں یہ ساری انجیلیں کسی کے نام سے موسوم نہ تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم

۱۱۔ مرجع سابق، ص ۵ تا ۶۔

12. Funk Hoover and Jesus Seminar, The Five Gospels, MaCMillan Publishing House, N. Y. 1993, p.20.

toobaa-elibrary.blogspot.com

نہیں کہ انہیں Mathew،John اور Marks وغیرہ کی جانب کس نے منسوب کیا؟ ہاں البتہ ایک بات سمجھ آتی ہے کہ گردش کرنے والی ان تحریروں کی حیثیت بڑھانے کے لیے انہیں یہ نام دیے گئے۔ اور Five Gospels کی جملہ مصنفین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ:

''ساری انجیلوں میں سیدنا عیسیٰؑ کی جانب جو کچھ بھی منسوب کیا گیا ہے، اس میں سے صرف ۲۰ فیصد کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ سیدنا عیسیٰؑ کے دہن مبارک سے ادا ہوا، باقی ۸۰ فیصد ان کی جانب غلط طور سے منسوب کیا گیا ہے۔'' (۱۳)

اب ہم قرآن کریم کا جائزہ لیتے ہیں۔ قرآن کا ذکر کرتے ہوئے میں ان تفصیلات کی جانب صرف اشارہ کروں گا، جن کا ذکر عام تذکروں میں ملتا ہے۔ قرآن کریم آپؐ پر تقریباً تئیس سال میں اترا اور قرآن کی حفاظت و تدوین کے لیے آپؐ کے صحابہ کرام نے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ کسی دوسری مذہبی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔

قرآن نازل ہوا تو اولین ایام ہی سے یہ اہتمام کیا گیا کہ نازل شدہ آیات، مسلمان حفظ کر لیں اور اس کو تحریری صورت میں محفوظ کر لیں۔ (۱۴) مورخین بیان کرتے ہیں کہ آپؐ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو صحابہ کرام آپ کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ یہ وحی کے نزول کی کیفیت ہے۔ (۱۵) وہ فوراً قلم دوات لے کر لکھنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ وحی

۱۳۔ مرجع سابق، دیکھیے: کتاب کا سرورق۔

۱۴۔ العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری، ج ۱۲، ص ۵۳۹ تا ۵۴۸؛
صبحی الصالح، مباحث فی علوم القرآن، ص ۹۸۔
الکردی، محمد طاہر بن عبدالقادر، تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ، مصر، مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۳ء/۱۳۷۲ھ، ص ۳۹۔

۱۵۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دمشق، دار ابن کثیر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۰ھ، باب بدء الوحی۔

آ چکنے کے بعد آپؐ ہر آیت کو تین تین بار بولتے، جب کاتبین وحی لکھ لیتے تو آپؐ خود صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرماتے: جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر سناؤ، تاکہ اگر کسی کی تحریر میں کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی اصلاح ہو سکے، اور آپؐ کا طریقہ تھا کہ لکھوانے کے بعد اپنے صحابہ کو حکم دیتے کہ اسے ازبر کر لو اور ان قرآنی عبارتوں کو روزانہ دو وقت کی نمازوں میں پڑھو۔ ''معراج'' کے بعد دو کی بجائے پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو مسلمان قرآن کو پانچ نمازوں میں دہرانے لگے۔

نزول وحی کے بعد اس کی حفاظت اور کتابت کا اہتمام شروع سے ہی کیا گیا۔ پہلی وحی کے بعد وحی کا سلسلہ کم وبیش تین سال کے لیے رکا رہا۔ اس عرصہ کو فترۃ وحی (۱۶) کہتے ہیں اور غالباً یہ ۵ سنہ نبوی کا واقعہ ہے جب سیدنا عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ (۱۷) آپ کے اس مشہور واقعہ میں بھی ہمیں پتا چلتا ہے کہ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کے گھر میں قرآن کا کچھ حصہ تحریری صورت میں موجود تھا۔ واضح رہے کہ آپؐ پر جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی آپؐ کاتبین وحی سے فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے بعد لکھیں۔ گویا سورتوں میں آیات کی موجودہ ترتیب اور قرآن میں سورتوں کی ترتیب خود آپؐ کے ہاتھوں انجام پائی۔ مستشرقین نے قرآن کریم کے Judo-Christian Sources کے عنوان سے قرآنی آیات کی ترتیب اور ان کے نفس مضمون کو خوب موضوع

۱۶۔ ابن کثیر، ابو الفدا، السیرۃ النبویۃ، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ب۔ت، ج ۱، ص ۳۸۶۔
ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۵ھ، ج ۱، ص ۲۷۸۔

۱۷۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۹ء/۱۴۲۰ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

بنایا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فلاں آیت یہودیت کے اثرات اور فلاں فلاں آیات فلاں عیسائی تعلیمات سے متاثر ہوکر آپؐ نے فلاں سال میں ترتیب دیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکی اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتیں یا آیات مدنی کہلاتی ہیں۔ مستشرقین قرآن کو آپؐ کا کلام ثابت کرنے کے لیے جہاں قرآنی تعلیمات میں ایک ارتقاء ثابت کرنے کے درپے ہیں وہاں قرآن کے مصادر (Sources) بھی متعین کرنا چاہتے ہیں، تاکہ قرآن کریم کو خالص انسانی کوشش ثابت کیا جاسکے۔ (۱۸) مستشرقین اعتراض کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانی کلام کا ایک خاصا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ صاحب کلام کے ماحول، اس کی سوچوں اور گردوپیش کا مظہر ہوتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جب کسی کے حالات بدلتے ہیں تو اس کا لہجہ بھی بدل جاتا ہے۔ حالات بدل جائیں تو لہجے میں لجاجت، دھیما پن اور رویوں میں تعاون کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔ وہی لوگ جن کی گفتار اور زندگی کا ہر انداز فرعونیت پر مبنی ہو وہ لوگ گردوپیش کے بدلنے سے حسن اخلاق کی تصویر بن جاتے ہیں۔ اب ذرا غور

---

18. Please see: Arthur Jeffery, The Qur'an as Scripture, p.1.
The New Encyclopaedia of Bretannica, Article: "Koran".
The Encyclopaedia of Islam, Leiden, "Koran".
Arthur Jeffery, Materials for the History of the Text of the Qur'an, Leiden, E.J.Brill,1937,pp1-24.
Burton, The Collection of the Qur'an, London University Press, New York,1977, p.232.
Margoliouth, Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edinburgh/New York, 1956; pp.x,542.

فرمایئے آپؐ کن کن حالات سے گزرے۔ چند قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اہل قبیلہ دشمن ہیں۔ شہر کے لوگ شاعر اور ساحر گردانتے ہیں۔ یہ قرآن اس زمانے میں بھی اتر رہا تھا جب سارے ایکا کرکے آپؐ اور آپؐ کے چند جانثاروں کو شعب ابی طالب، یعنی ابوطالب کی گھاٹی، میں کم وبیش تین سال کے لیے محصور ہونے پر مجبور کردیتے ہیں۔ انھی حالات میں عام الحزن (۱۹) (غم واندوہ کا سال) بھی آتا ہے، جب آپؐ کے محافظ چچا اور شریک حیات بچھڑ جاتی ہیں، اور اس زمانے میں بھی قرآن اتر رہا تھا، جب آپؐ مدینہ منورہ کی دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر پھیلی نوخیز اسلامی ریاست کے سربراہ اور اسلامی فوجوں کے سالار اعلیٰ تھے۔ لوگ وقت کے حاکموں کے روبرو کورنش بجالاتے ہیں اور منافقت کے پردوں میں احترام کا اظہار کرتے ہیں، مگر آپؐ کے فدائی آپؐ کی جنبش ابرو پر جان وارنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ قرآن ان سارے حالات میں اترتا رہا۔ مکی سورتیں ہوں یا مدنی، ایک ہی انداز بیان ہے۔ مکی سورتوں میں حالات اور زمانے کی جفاؤں کا شکوہ نہیں ہے اور مدنی سورتوں کے اسلوب بیان میں کہیں تعلّی کا گزر نہیں۔ سورتیں مکی ہوں یا مدنی، ایک ہی پیغام ہے۔ ایک ہی آہنگ اور ایک ہی اسلوب بیان۔ عوام الناس کو توحید اور رسالت کی جانب بلایا گیا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے، بلکہ اس ذات گرامی کا کلام ہے، جو انسانی زندگی اور اس کے علائق سے بالا ہے۔

مختلف روایات میں ہجرت کے بعد مختلف صحابہ کرامؓ کے ذاتی نسخوں کی اصلاح اور

۱۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، ج۱، ص۴۷۲۔
ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۱، ص۶۸۵۔
ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل، ج۱، ص۴۵۵۔
عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج۹، ص۱۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

نظر ثانی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ سنہ ۲ ہجری میں روزے فرض ہوئے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر رمضان شریف میں اس وقت تک جتنا قرآن مجید نازل ہو چکا ہوتا آپؐ باآواز بلند دہرایا کرتے۔ صحابہ کرامؓ قرآن سنتے اور اپنی تحریریں سامنے رکھ آپؐ کی قراءت کے ساتھ ان کا موازنہ کر لیتے اور اغلاط ملنے کی صورت میں اصلاح کر لیتے۔ (۲۰) یہ عمل اور یہ چیز ہماری تاریخ میں ''عرضہ'' یعنی پیشکش کے نام سے جانی جاتی ہے، کہ قرآنی تحریروں کے حاملین آپؐ کے سامنے اپنی تحریر پیش کریں اور آپؐ اسے سن کر سرٹیفکیٹ اور Approval دیں کہ ہاں آپ نے درست لکھا ہے۔ ''عرضہ'' کی جمع ''عرضات'' ہے۔ ہماری تاریخ میں جابجا ''ایام العرضات'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ صحیح بخاری میں بڑی صراحت کے ساتھ روایت ہے کہ آپؐ نے اپنی وفات سے چند ماہ پیشتر ماہ رمضان میں لوگوں کے سامنے دو مرتبہ پورے کا پورا قرآن مجید سنایا۔ آپؐ نے یہ بھی کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میری وفات قریب آ گئی ہے، لہٰذا جبرائیل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں دو مرتبہ قرآن سناؤں تا کہ اگر کسی کے یہاں (قرآنی تحریر میں) کوئی غلطی ہو تو وہ باقی نہ رہے۔ (۲۱)

آپؐ کے وصال کے وقت کم وبیش 25 حافظ تھے (۲۲) جنہیں پورے کا پورا قرآن

۲۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۱۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۴، ص ۱۹۱۱۔ ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، ۵۹۸۔

۲۱۔ الکردی، تاریخ القرآن، ص ۶۹ تا ۷۰۔

۲۲۔ العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری بشرح البخاری، بیروت، المکتبۃ البخاریۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ، ج ۱۳، ص ۵۳۹ تا ۵۴۸ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد ومدینۃ السلام، بیروت، دار الکتاب العربی، ب۔ت، ج ۹، ص ۷۷۔

موجودہ ترتیب کے ساتھ یاد تھا۔ ان میں ایک خاتون حافظہ حضرت ام ورقہؓ بھی تھیں۔ (۲۳) ایک اور چیز کی جانب بھی اشارہ کرتا چلوں کہ یہ تو وہ صحابہؓ تھے جنہیں پورا قرآن یاد تھا۔ ان کے علاوہ سبھی صحابہ کرامؓ کو قرآن کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور یاد تھا۔ صحابہؓ میں حفظ قرآن سے شغف کا ہمیں یوں بھی پتا چلتا ہے کہ آپؐ کی وفات سے کئی سال پیشتر جب جنگ احد کے شہدا کی تدفین کا مرحلہ آیا تو اس شخص کو پہلے دفن کیا گیا، جسے قرآن کا زیادہ حصہ زبانی یاد تھا۔ اس موقع پر حضورؐ کے الفاظ یہ تھے: ''اَیُّھُمْ اَکْثَرُ قُرْآناً ؟'' یعنی ان میں سے قرآن کسے زیادہ یاد تھا؟ (۲۴) گویا جسے قرآن کریم زیادہ یاد تھا، اسے تکریماً باقی شہدا سے پہلے دفن کیا گیا۔ اور آپؐ کی وفات کے پانچ سات سال بعد، کنز العمال کی روایت کے مطابق، سیدنا عمرؓ نے اپنے گورنروں کو خط لکھا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں موجودہ حفاظ کرام کے نام مرکز کو بھجوائیں۔ اس پر اکیلے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنے علاقے سے تین سو حفاظ کے نام اور پتے ارسال کیے۔ (۲۵)

مشہور روایات کے مطابق جنگ یمامہ میں بہت سارے حفاظ کی شہادت پر حضرت عمرؓ نے خلیفہ وقت کی توجہ سرکاری نسخے کی تدوین کی جانب مبذول کرائی۔ بڑی ردوقدح کے بعد، جس کی تفصیلات بہت عام ملتی ہیں۔ (۲۶) سیدنا ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا۔ کمیشن میں کئی جلیل القدر صحابہ تھے۔ حضرت زیدؓ، جو خود بھی

۲۳۔ الھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال، فی سنن الاقوال والافعال، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۹۱ھ، ج ۷، ص ۲۳۹ تا ۲۴۰۔

۲۴۔ مرجع سابق، ج ۱، جزا، ص ۱۲۴۔

۲۵۔ مثال کے طور پر دیکھیے: البخاری، الجامع الصحیح، ج ۴، ص ۱۹۰۸۔

۲۶۔ ابن حنبل، مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، ص ۴۵۵، ۵۹۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن کے حافظ اور کاتب دجی تھے، کو قرآن کمیشن کا چیرمین نامزد کیا گیا۔ کمیشن کے حکم سے منادی کرادی گئی کہ جس شخص کے پاس بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ تحریری صورت میں ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ''عرضہ'' (۲۷) کے موقع پر تصحیح شدہ ہو یا براہ راست جس کی تصحیح خود آپؐ نے فرمائی ہو، وہ کمیشن کے سامنے لاکر پیش کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے کمیشن کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ قرآن کی تدوین کے وقت صرف ان آیات کو قبول کیا جائے، جن کے حق میں، اسلامی قانون شہادت کے مطابق، کم از کم دو تحریری شہادتیں موجود ہوں۔ قرآن کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ جب لوگ تحریری شہادتیں یعنی قرآنی نسخے لاکر کمیشن کے روبرو پیش کرتے تو سیدنا عمرؓ، جو کمیشن کے ایک رکن بھی تھے، نسخہ لانے والے کو حکم دیتے کہ قسم کھا کر بتاؤ کہ یہ نسخہ جو تم پیش کر رہے ہو، وہی ہے جس کی تصحیح آپؐ کے سامنے ہوئی۔ نسخہ لانے والا شخص قسم کھا کر یقین دلاتا تو پھر اس سے استفادہ کیا جاتا۔ حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ جب پورا قرآن لکھا جا چکا، میں نے اسے شروع سے آخر تک پڑھا، یوں بھی قرآن میرے حافظے میں محفوظ تھا، اس میں مجھے ایک آیت کم نظر آئی۔ یہ آیت میرے حافظے میں تو تھی مگر اس تیار کردہ مجموعے میں نہ تھی۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں: اس ایک آیت کی تلاش کے لیے میں ہر مہاجر اور ہر انصاری کے گھر گیا۔ بالآخر مجھے اس آیت کا ایک تحریری نسخہ مل گیا۔ اس آیت کے حق میں تحریری شہادت صرف ایک تھی۔ (۲۸)

۲۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۴، ص۱۹۰۷۔ القیسی، ابو محمد مکی بن ابی طالب، کتاب الابانۃ عن معانی القراءآت، دمشق، دار المامون للتراث، ص۴۵۔

۲۸۔ فکان خزیمة یدعی ذالشهادتین أجاز رسول الله صلی الله علیه وسلم شهادته بشهادة رجلین: قال الزهری: وقتل یوم صفین مع علی رضی الله عنهما، مسند احمد بن حنبل، ج۶، ص۲۴۳. تفصیل کے لیے دیکھیے: خطبات بہاولپور، ص۱۵۔

جبکہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم تھا کہ کسی آیت کو دو تحریری شہادتوں کے بغیر قبول نہ کیا جائے۔ لیکن یہاں مشیت خداوندی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اتفاق سے یہ وہ شخص تھا، جس کے متعلق آپؐ نے ایک بار کسی کام سے خوش ہو کر فرمایا تھا کہ آج کے بعد تیری ایک شہادت دو شہادتوں کے برابر سمجھی جائے گی۔ یہ شخص جلیل القدر صحابی حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ تھے۔ (۲۹) اس طرح یہ آیت قرآن کریم میں شمار کی گئی۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن کی تدوین کیسے عمل میں آئی؟ اس پورے کام میں جو احتیاط روا رکھی گئی اور جو طریقہ کار اختیار کیا گیا وہ کسی اور الہامی کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔ اس کی ایک عمدہ مثال سورۃ المومنون کی آیت نمبر ۲۳، ۲۴ اور ۲۶ میں لفظ ''قال'' قاف، الف، لام سے لکھا ہوا ہے، چند آیات کے بعد یعنی آیات نمبر ۱۱۲، اور ۱۱۴ میں یہی لفظ ''قاف الف مقصورہ'' اور لام کے ساتھ ''قٰلَ'' کی شکل میں لکھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ کچھ بھی ہو لیکن اس سے یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کریم کے تحفظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ رسم الخط اور املا تک میں اصلاح کے نام پر کسی تبدیلی کو جائز قرار نہیں دیا۔

سیدنا زید بن ثابتؓ نے قرآن کا نسخہ مکمل کر کے مسجد نبوی میں رکھ چھوڑا۔ ہزاروں لاکھوں صحابہؓ نے اسے جانچا، تاریخ نے ایک اعتراض بھی ریکارڈ نہیں کیا۔ کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس میں فلاں آیت نہیں ہے یا فلاں زائد ہے یا فلاں آیت کی جگہ تبدیل شدہ ہے اور ہم نے اسے فلاں آیت سے پہلے یا بعد سن رکھا ہے۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور پھر سیدنا عمر فاروقؓ کی تحویل میں رہا۔ سیدنا عمرؓ کی وفات پر یہ نسخہ ام المومنین حضرت حفصہؓ کی

۲۹۔ القشیری، ابی الحسن مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، بیروت، دار المعرفۃ، ب۔ت، ج۱، ص۵۹۔ الزرکشی، بدر الدین، البرھان فی علوم القرآن، بیروت، دار الفکر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۸ء/ ۱۴۰۸ھ، ج۱ ص۲۹۷۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تحویل میں آ گیا۔(۳۰)

اب ایک نظر اس بات پر ڈالتے ہیں کہ ہماری تاریخ میں سیدنا عثمانؓ کو ''جامع القرآن'' کیوں کہا گیا؟ حالانکہ قرآن کریم تو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے ہی میں جمع ہو چکا تھا۔ جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ سرور عالمؐ کا اصل کام لوگوں کو پیغام الٰہی سے روشناس کرانا تھا۔ اس لیے آپؐ جس قبیلے کے پاس جاتے، اس قبیلے کے بچوں بوڑھوں جوانوں اور عورتوں سے انہی کے لہجے میں گفتگو فرماتے تا کہ ابلاغ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ یاد رہے کہ آپؐ کے اولین مخاطب یہی ان پڑھ اور بدو تھے۔ ان سے انہی کے لہجے (dialect) میں بات کرنا زیادہ مناسب تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر زبان کے کئی کئی dialects ہوتے ہیں۔ مثلاً ہماری مقامی زبانوں میں پنجابی کا سیالکوٹی dialect دیگر علاقوں سے مختلف ہے۔ سرائیکی زبان میں ڈیرہ غازی خان کے رہنے والوں کا dialect دیگر علاقوں سے مختلف ہے۔ کہیں ایک لفظ ''الف'' سے ادا ہوتا ہے تو وہی لفظ دوسری جگہ پر ''ھا'' سے بولا جاتا ہے۔ یہی حال عربی زبان کا تھا۔ آپ جس عربی قبیلے کے پاس جاتے ان کے ساتھ انہی کے dialect میں گفتگو فرماتے، اور آپؐ نے مختلف عرب قبائل کو ان کے اپنے لہجوں میں قرآن پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ یہی سبب ہے کہ مختلف روایات میں ہمیں ملتا ہے کہ فلاں صحابی نے سورہ فاتحہ میں ''ھیاک نعبد'' پڑھا ہے۔ اور فلاں صحابیؓ نے ''ویاک نعبد'' پڑھا ہے۔ دراصل یہ سارے مختلف قبائل کے

۳۰۔ المتقی الھندی، کنز العمال، ج۱، جز۲، ص۲۴۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۴، ص۱۹۰۷۔

لہجات تھے۔(۳۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی ایام ہی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ آپ کو فوری طور پر مختلف لہجات میں قرآن پڑھنے کی سہولت کا جائزہ لینا پڑا۔ مسلمان فوجیں ترکی کے ارض روم کے علاقوں میں مصروف جہاد تھیں کہ کسی نماز کے وقت امام نے قرآن کی کسی ایسے انداز میں قرأت کی جس سے دوسرے لوگ آشنا نہ تھے۔ یوں ایک اختلافی صورت سامنے آئی۔ سپہ سالار نے حکمت سے کام لیتے ہوئے مسئلہ خلیفۂ وقت کے حضور بھیج دیا۔ خلیفۂ وقت نے حضرت حفصہؓ سے قرآن کا نسخہ منگوایا۔(۳۲) قرآن کمیشن (جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جمع وتدوین کے فریضہ سے کامیابی سے عہدہ برا ہو چکا تھا) کے چیرمین جناب زید بن ثابتؓ کو طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ قرآن کریم کو اولین تدوین کی بنا پر ایک بار پھر تحریر کریں، اور اسی لہجے میں تحریر کریں جو آپ کا اپنا لہجہ تھا۔ اس عظیم کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ حضرت علیؓ اور دیگر کئی کبار صحابہؓ کی معاونت رہی۔(۳۳)

رمز شناس نبوت حضرت عثمانؓ نے مختلف لہجوں میں قرآن پڑھنے کی سہولت، جو خود حضورؐ نے دی تھی، واپس لے لی، اور امت کو پابند کیا کہ اب وہ صرف اسی لہجے میں قرآن پڑھے، جو حضورؐ کا اپنا لہجہ تھا۔(۳۴)

---

31. Please see for detail: M. A. Chaudhary, "Orientalism on Variant Readings of the Qur'an- the Case of Arthur Jeffery", American Journal of Islamic Social Sciences,Vol, 12,No.2,1995,pp.176-78.

۳۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج۴، ص۱۹۰۸۔

۳۳۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ب۔ت، ج۴، ص۲۵۶۔

۳۴۔ ابن الجزری، ابو الخیر محمد بن محمد الدمشقی، النشر فی القراء آت العشر، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ، ج۲، ص۳۸۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

حیرت کی بات ہے کہ امریکی مستشرق آرتھر جیفری نے عرب قبائل کے مختلف علاقائی لہجات پر مبنی قرآنی قراءآت اکٹھی کیں اور ان قراءآت کو صحابہؓ کرام اور تابعین میں سے ۱۲۸ اصحاب کی جانب منسوب کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی حضرت عثمانؓ کے دور میں قرآن کریم کے مختلف ۲۸ نسخے امت کے پاس موجود تھے۔(۳۵)

اس ضمن میں حضرت علیؓ کا وہ بیان نہایت وقیع اور معتبر ہے، جو کتاب الابانہ فی معانی القراءآت میں ابو محمد المکی القیسی نے نقل کیا ہے۔ سیدنا علیؓ سے کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ خلیفۂ وقت نے لوگوں کو ایک Dialect اور لہجہ پر جمع کرنے کے لیے، باقی لہجات پر مبنی قرآن کریم کے ہزاروں نسخے تلف کروا دیے ہیں، تو سیدنا علیؓ نے فرمایا:

لَوْوُلِّیْتُ لَفَعَلْتُ فِی الْمَصَاحِفِ الَّذِی فَعَلَ عُثْمَانُ.(۳۶)

''اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یقیناً مصاحف کے معاملہ میں اسی طرح کرتا، جس طرح حضرت عثمان نے کیا''۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ سیدنا عثمانؓ نے قرآن کو از سر نو مدون نہیں کرایا بلکہ امت کو ایک لہجے اور قراءت پر جمع کیا۔ اسی سبب سے امت نے اپنے اس محسن کو ''جامع القرآن'' کا خطاب دیا۔ ابو محمد القیسی نے مزید لکھا ہے کہ اس کارِ خیر میں کم و بیش ۱۲۰۰۰ صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی معاونت کی، جنہوں نے اطراف عالم میں حضورؐ کے لہجے پر مبنی قرآن کو پھیلایا اور علاقائی لہجوں کے حامل مصاحف کو تلف کیا۔(۳۷) اور یہ بھی منشائے ایزدی ہے کہ تاریخ نے ''مصحف عثمانی'' کے علاوہ ایک بھی نسخے کو محفوظ نہیں رکھا۔ یہاں قرآن کا ایک

35. Arthur Jeffery, Materials for the History of Text of the Qur'an, pp.1-24.

۳۶۔ ابو عبید القاسم بن سلام، فضائل القرآن، بیروت، دارلکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۷۔

۳۷۔ مرجع سابق

اور امتیازی وصف بھی ذکر کر دوں کہ یہ دنیا کی وہ واحد کتاب ہے کہ بڑے سے بڑا آدمی بھی اس کی کوئی ایک آیت بھی پڑھتے ہوئے کسی لفظ کو آگے پیچھے کر دے تو ایک عام مسلمان بھی اس حاکم کو یہ کہنے کی جرات رکھتا ہے کہ محترم یہ آیت ایسے نہیں ایسے ہے۔ اسلامی تہذیب کی مبادیات سے آگاہ لوگ اسے خوب سمجھتے ہیں کہ ''مصحف عثمانیؓ'' میں حضورؐ کی قراءآت سے سرمو انحراف کیا جاتا تو مسلمانوں نے اسی وقت محاسبہ کر لیا ہوتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر قرآن کریم کی کتابت اور حفاظت کا اس طور اہتمام نہ بھی کیا گیا ہوتا تو بھی آج قرآن اسی حالت میں محفوظ ہوتا، جس طرح یہ آپؐ پر اتارا گیا تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ سے لے کر آج تک ہر نسل نے یہ کتاب اس احتیاط اور تواتر کے ساتھ دوسری نسل کو پہنچائی ہے اور ہر دور کے حفاظ اتنی بڑی تعداد میں آئندہ نسل کے حفاظ تیار کرتے رہے ہیں کہ یہ کتاب محض حافظے کی بنیاد پر بھی باقی رہتی۔

بہر حال حضرت عثمانؓ نے بعض روایات کے مطابق قرآن کی ۴ اور بعض کے مطابق ۷ نقول تیار کروا کے مختلف بڑے مراکز کو ارسال کر دیں۔(۳۸) ان میں سے چار نقول آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ جی ہاں آپؐ کے وصال کے تقریباً ۱۳ سے ۱۵ برس بعد تحریر ہونے والے قرآنی نسخے ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ایک نسخہ سرائے توپ کاپی میوزیم استنبول میں ہے۔ یہ وہی نسخہ ہے، جو بوقت شہادت حضرت عثمانؓ کے زیر مطالعہ تھا۔ اس میں سورۃ البقرۃ کی آیت: فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔(۳۹) پر خون کے دھبے ہیں۔ دوسرا نسخہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں ہے۔ اس نسخے پر مغل بادشاہوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ تیسرا نسخہ تاشقند اور چوتھا کابل میں ہے۔(۴۰)

۳۸۔ عبداللہ بن ابی بکر، السجستانی، کتاب المصاحف، ص ۲۳۔

۳۹۔ القرآن، البقرۃ ۲:۱۳۷۔

۴۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ص ۲۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہاں دیگر کتب کے مقابلہ میں قرآن کے ہر قسم کی تحریف وتصحیف سے محفوظ ہونے کے حوالے سے ایک اہم اور دلچسپ واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۳۳ء مین میونخ یونیورسٹی میں مخالفین قرآن نے، محفوظیتِ قرآن سے متعلق اہل اسلام کے دعوی کو غلط ثابت کرنے کے لیے، متن قرآن کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ Qura'nic Archive کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا، جس میں چودہ صدیوں کے عرصہ پر محیط قرآن کے تقریباً بیالیس ہزار (۴۲۰۰) نسخوں کو جمع کر کے ان کا باہم موازنہ کیا گیا۔ لیکن شان خداوندی ملاحظہ ہو کہ اتنے زیادہ نسخہ ہائے قرآنی میں متن کا کوئی ایک اختلاف بھی سامنے نہ آسکا۔ (۴۱) بلاشبہ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن. (۴۲)

''بے شک ہم نے ہی اسے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔''

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ. فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ. ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. (۴۳)

''بے شک اس قرآن کو اکٹھا کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ سو جب ہم اسے پڑھیں تو ہمارے پڑھنے کی پیروی کیجیے۔ پھر اس کا بیان کرنا (بھی) ہمارے ہی ذمہ ہے۔''

حاصل یہ کہ قرآن کے لاتعداد اور مسلسل معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ یہ کتاب عظیم قیامت تک اسی طرح رہے گی، جس طرح نازل ہوئی تھی۔

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۵ تا ۱۶۔

۴۲۔ القرآن، الحجر ۱۵:۹۔

۴۳۔ القرآن، القیامۃ ۷۵:۱۷ تا ۱۹۔

باب سوم

اسلوبِ قرآن اور قرآن فہمی

گذشتہ صفحات میں قرآن کریم کی زبان، اس کے اسلوب کی انفرادیت، اور دیگر کتبِ سماویہ کے مقابلہ میں اس کی غیر معمولی حفاظت وصیانت کا جائزہ لیا گیا۔ اللہ کی سنت اور اس کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ لوگوں کے پاس وحی اُن کی مانوس زبان میں بھیجی جائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ. (۱)

''اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان ہی میں (اپنا پیغام دے کر) بھیجا، تا کہ وہ اسے ان کے لیے کھول کر بیان کر دے۔''

اسلام کے پیغام اور ایک ایسے دین کے لیے جس کی دعوت کو پوری دنیا کے لیے عام ہونا تھا، اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا انتخاب کیا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ. (۲)

''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا تا کہ تم سمجھو۔''

اسلام کے پیغام اور قرآن کے لیے عربی زبان کے انتخاب کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ

۱۔ القرآن، ابراہیم ۱۴:۴۔

۲۔ القرآن، یوسف ۱۲:۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ زبان نہایت واضح، سلیس اور منجھی ہوئی زبان ہے۔ خود قرآن کریم نے اس کو عَرَبِیٍّ مُّبِیْن ۔(۳) یعنی واضح اور کھلی عربی زبان قرار دیا ہے۔ اس تناظر میں قرآن کا یہ بیان بھی نہایت اہم ہے کہ:

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ .(۴)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔''

ان سطور میں ہمارا مقصود اسلوب قرآن اور قرآن فہمی کے حوالے سے چند اہم نکات کی وضاحت ہے۔ قرآن کا اُسلوب ایسا ہے کہ اس کی نقالی ممکن نہیں۔ انگریزی میں ہم اسے Un-immitable کہہ سکتے ہیں۔ کوئی آدمی ہزار کوشش کے باوجود اِس جیسا آہنگ اور اس جیسا پیرایۂ اظہار اختیار نہیں کر سکتا۔ قرآنِ کریم کا اُسلوب رواں ہے، اِس کا متن فوراً زبان پر چڑھ جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کتاب کے حفاظ پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، جب کہ دوسری کسی الہامی کتاب کا حافظ ہمیں دنیا میں نہیں ملتا۔

آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''انا افصح العرب'': میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ اور تاریخ نے بھی دیکھا کہ آپؐ کے دہنِ اقدس سے جو جملہ بھی نکلا، عربی زبان میں ایک مثل اور محاورے کی صورت اختیار کر گیا، مثلاً آپ نے فرمایا: ''انما الاعمال بالنیات ''(۵) یعنی: اعمال کا دارومدار نیتوں

۳۔ القرآن، الشعراء ۲۶:۱۹۵۔

۴۔ القرآن، القمر ۵۴:۴۰۔

۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۱، ص ۲۔

پر ہے؛ ''خیر الامور اوسطھا ''(۶) یعنی: بہتر کام وہی ہوتے ہیں جو میانہ روی پر مبنی ہوں۔ ایسی لاتعداد مثالیں ہیں کہ آپؐ نے جو کچھ بھی فرمایا، عربی میں ایک مثال بنتا چلا گیا؛ لیکن قرآن کی غیر معمولی فصاحت کا اندازہ کیجیے کہ یہ حدیث نبوی سے بھی بالکل ممتاز و منفرد ہے۔ اثنائے حدیث میں اگر قرآنِ کریم کی کوئی آیت آ جائے، تو اس کی انفرادیت خود بخود واضح ہو رہی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساری دُنیا کے زبان دان قرآن کو دنیا کی سب سے فصیح کتاب تسلیم کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ اس کا معارضہ و مقابلہ کبھی کسی سے نہ ہو سکا۔

اُسلوب کے معاملے میں اِس کتاب کے امتیازات میں ایک اور نہایت ہی نادر اور انوکھی بات یہ بھی ہے کہ گذشتہ ساڑھے چودہ سو سال میں آج تک کوئی اس کتاب کے اُسلوب کو نہ تو قدیم اُسلوب کہہ سکا اور نہ اس کی زبان کو قدیم زبان ہی ثابت کر سکا۔ شاید اس کا سبب یہ ہے کہ عربی زبان کے اور عربی انشا پردازی کے جس قدر اُسلوب اور قوانین ہیں، وہ تمام کے تمام قرآن کریم سے مستعار لیے گئے ہیں۔ لفظ اور معنی کا باہمی تعلق ہو یا عربی زبان میں صلات (Prepositions) کا استعمال، قرآن کریم کے اسلوب اور ادبی استعمالات ہی کو معیار مانا گیا ہے۔ عربی لفظ کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے لغوی شاہد (Linguistic proof) ہمیشہ قرآن ہی کا معتبر تسلیم کیا گیا ہے۔ اور جب بھی کوئی لفظ ایسے مفہوم میں استعمال کیا گیا، جس مفہوم میں قرآن نے اسے استعمال نہیں کیا تھا، ادیبوں کی ایک بڑی جماعت اس لغوی غلطی کے ازالے کے لیے کمر بستہ ہو گئی۔ نتیجتاً عربی میں ''حرکۃ التصحیح اللغوی ''(لغوی اصلاح کی تحریک) برپا رہی، جو قرآن کریم

۶۔ العجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء ومزیل الالتباس، بیروت، دارالفکر، ب۔ت، ج ۱، ص ۴۶۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے سائے میں چلتی رہی۔قرآنی استعمالات کے برعکس کسی عربی لفظ کے استعمال کا نوٹس ہر بڑے عربی ادیب نے لیا۔خاص طور پر عربی ادب کا عظیم ادیب ابو عثمان جاحظ (متوفّٰی ۲۵۵ھ) اپنی مشہور زمانہ کتاب ''البیان و التبیین'' میں جابجا ایسے الفاظ کی نشاندہی کرتا ہے، جو اس کے زمانے میں غیر محتاط استعمال کے سبب قرآنی استعمال کے برعکس دیگر معانی میں لیے جانے لگے تھے۔(۷) زمانہ مابعد میں عربی زبان کے غیر معیاری استعمالات کے مواخذے کا کام بدستور جاری رہا، محمد ضاری حمادی نے اپنی کتاب حرکة التصحیح اللغوی فی العصر الحدیث (۱۸۵۰ء تا ۱۹۷۸) مطبوعہ بغداد ۱۹۸۰ء میں اس موضوع پر ہونے والے کاموں کا بڑا عالمانہ جائزہ لیا ہے۔جبکہ امیل یعقوب نے اس موضوع پر تصنیف شدہ اہم کتب کی جامع فہرست پیش کر دی ہے جو ازمنہ وسطیٰ اور دور جدید کے علمی کاموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اور اسی استشہاد لغوی (Linguistic citation) کو درست راہ پر رکھنے کے لیے ''معجم الخطأ و الصواب'' (غلط اور صحیح کی ڈکشنری) تصنیف کر دی، تاکہ عرب ادیب لفظ اور معنی کے باہمی ربط کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لیے قرآنی اسالیب کے معیار کو سامنے رکھ سکیں۔(۸)

عربی زبان کا ایک اور محیر العقول خاصہ یہ ہے کہ اس زبان کا ہر لفظ کسی نہ کسی خاص وزن (Meter) پر وضع کیا جاتا ہے۔اور کوئی غیر عربی لفظ بھی تعریب (عربی قالب میں

۷۔الجاحظ، ابو عثمان، البیان والتبیین، تحقیق عبد السلام محمد ہارون، القاہرہ، ۱۹۴۸ء، ج۱، ص۲۰۔

۸۔ امیل یعقوب، معجم الخطأ والصواب فی اللغۃ، بیروت، دار العلم للملایین، ۱۹۸۳ء۔ ص۲۵۔۳۲

ڈھالنے کا عمل) کے ذریعہ عربی ذخیرۂ الفاظ میں لانا ہو، تو وہ بھی پہلے سے موجود عربی اوزان میں سے ہی کسی وزن پر عربی میں شامل کیا جائے گا۔لہذا جلیل القدر عربی دان ابن جنّی (المتوفّٰی ۳۹۳ھ) کہتا ہے: ''کل ما قیس علی الاوزان العربیة فهو عربی'' (ہر وہ لفظ جو عربی اوزان (Meters) پر قیاس کیا جائے گا، عربی لفظ ہی کہلائے گا۔)(۹) یہ جملہ عربی اوزان قرآن کریم ہی سے لیے گئے ہیں اور وقت کی بدلتی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ انہی اوزان پر ہی نئی مصطلحات اور ذخیرۂ الفاظ تخلیق ہوتا رہا ہے، جو کبھی قرآن کریم کے عربی زبان کے لیے تیار کردہ فریم ورک سے باہر نہیں نکل سکا۔لہذا اس میں کبھی کلاسیکی، قدیم یا جدید زبان کا جھگڑا کھڑا نہیں ہوا۔اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کرنا زیادہ مفید ہوگا۔اور وہ یہ کہ عربی زبان کو قرآن کریم کے عطا کردہ اوزان میں سے اسم آلہ کے لیے ایک وزن ''مِفْعَال'' ہے۔اس وزن پر ایک لفظ ''مِضْرَاب'' ہے۔یہ لفظ اردو میں بھی مروج ہے۔تمام اسمائے آلہ اسی وزن پر آئیں گے۔اسی طرح ''مِحْرَاب'' ہے، جو ہماری مساجد میں مہیا کئے گئے آلاتِ حرب میں سے ایک ہے، جس سے ہم اچھی طرح آگاہ ہیں۔گویا یہ ایک ایسا آلہ ہے، جس کے ذریعے ہم شیطان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں یا ''مِفْتَاح'' یعنی چابی۔بہت سے نئے الفاظ ایسی چیزوں سے متعلق ہیں، جن سے قدیم انسانی زندگی آشنا نہ تھی؛ لیکن جب وہ انسانی زندگی میں شامل ہوئیں تو اسی وزن پر نئے الفاظ تخلیق کیے گئے۔مثال کے طور پر توپ کے لیے عربی میں ''مِدْفَاع'' بھی ''مِفْعَال'' کے وزن پر ہے۔ریڈیو کے لیے ''مِذْیَاع'' اور ٹیلی ویژن کے

۹۔ ابن جنّی، الخصائص، تحقیق محمد علی النجار، بیروت، ۱۹۵۲ء، ج۱، ص۳۷۴، ج۲، ص۱۱۳ و مابعدہ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

لیے ''مِـرْنَاة'' علیٰ ھٰذا القیاس، پوری کی پوری عربی زبان قرآن ہی کے اوزان پر اُستوار ہوئی ہے؛ لہٰذا دنیا کی کسی زبان کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ سو سال کے بعد اس زبان کی شکل وصورت کیا ہوگی؛ لیکن عربی زبان کے مقدر میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ عربی زبان ہمیشہ قرآنِ کریم کے جلو ہی میں چلتی رہے گی۔ اِس کتاب کی عظمت کے حوالے سے یہ کس قدر اہم بات ہے کہ ہر زبان میں Correct اور Incorrect کی فہرستیں تیار کی جاتی ہیں، عربی زبان میں بھی یہی رواج ہے، تاہم عربی میں صرف اُس اسلوب کو صحیح تسلیم کیا جاتا ہے، جو کتابُ اللہ کا اُسلوب ہے۔

قرآن کریم کے اسلوب کی عظمت وجامعیت کی وضاحت کے سلسلہ میں یہاں جدید عربی ادب کے دو نمایاں افراد کی نگارشات کا حوالہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ ان دو افراد سے میری مراد طہٰ حسین اور نزار قبانی ہیں۔ طہٰ حسین عربی ناول نگاری میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں قرآن سے شغف رکھنے والا جو ناظر بھی اُن کی تحریروں کو دیکھے، یہ محسوس کیے بغیر نہ رہے گا کہ ان کی تحریروں پر قرآنی اسلوب کے گہرے سائے ہیں۔ (۱۰) چند سال قبل وفات پانے والا عصر حاضر کا عظیم عربی شاعر نزار قبانی اپنی تخلیقات میں جا بجا قرآنی اسلوب کی خوشہ چینی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ (۱۱) ان دو عرب ادیبوں کی مثال اس حوالے سے خصوصی اہمیت اختیار کر جاتی ہے کہ یہ دونوں آزاد خیال اور لبرل طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور مذہبی حلقوں میں نہ صرف یہ کہ انہیں کوئی پذیرائی حاصل نہ تھی بلکہ ان کی تند وتیز تنقید کا نشانہ تھے۔ لیکن

۱۰۔ دیکھیے: طہٰ حسین کے ناول دعاء الکروان، الایام اور وفات سے قبل طہٰ حسین کا آخری انٹرویو: ''ماذا یبقی من طہٰ حسین'' لغالی شکری۔

۱۱۔ ملاحظہ ہو: قصتی مع الشعر، قصیدہ بلقیس۔

بایں ہمہ ان کی تخلیقات اس وقت تک معیاری ادبی تخلیقات نہ بن سکیں، جب تک انہوں نے قرآن کا پیرایہ اظہار اختیار نہ کیا۔

گزشتہ صفحات میں اِس بات کا بھی جائزہ لیا گیا کہ قرآن کریم وہ واحد سماوی صحیفہ ہے، جو اپنی اصل اور حقیقی شکل میں موجود ہے۔ فرض کریں کہ یہ کتاب لکھی نہ بھی گئی ہوتی؛ تب بھی ایک نسل دوسری نسل کو یہ کتاب اسی انداز میں منتقل کرتی رہتی اور نہ لکھے جانے کے باوجود آج یہ کتاب اسی طرح محفوظ ہوتی؛ جس طرح حضورؐ پر اُتاری گئی تھی۔ اس کتاب کو ایسے حالات میسر آتے چلے گئے، جو کسی اَور سماوی کتاب کو میسر نہ آسکے۔ حضورؐ پر جب بھی وحی اترتی تو آپؐ اُسے سنتے اور خود صحابہ کرامؓ کو لکھواتے۔ کاتبینِ وحی قلم، دوات اُٹھا لیتے اور وحیٔ الٰہی کو محفوظ لیتے۔ آپؐ توثیق کے لیے اُن سے وہ وحی سنتے اور اُنہیں آگاہ کرتے کہ اِس آیت کو فلاں آیت سے پہلے، فلاں آیت کے بعد اور فلاں سورۃ مبارکہ میں درج کرلو۔ بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے چار یا پانچ مہینے پہلے آخری رمضان المبارک میں صحابہؓ سے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اِس سال دو مرتبہ قرآن کریم جبریل کو سناؤں۔ (۱۲) سارے صحابہؓ، جو اُس وقت مدینہ میں موجود تھے، کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے انہیں دو مرتبہ قرآن سنایا۔ امام طحاوی ''مشکل الآثار'' میں لکھتے ہیں کہ اِس آخری دہرائی میں حضورؐ نے جس لہجے میں قرآن پڑھا، وہی لہجہ سیّدنا عثمانؓ نے باقی رکھا اور دیگر لہجوں پر مبنی نسخے احتیاط کے پیش نظر، اپنے سرکاری حکم

۱۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، ج ۴، باب ۷، ح۔ن ۴۹۹۷، ص ۱۹۱۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے تلف کروادیے۔(۱۳)

قرآنِ کریم کے واحد سماوی صحیفے کی حیثیت سے اپنی اصل صورت میں موجود و محفوظ ہونے اور اس چیز کے ایک حقیقتِ ثابتہ ہونے کے باوجود؛ دشمنانِ اسلام قرآن کو نہایت ڈھٹائی سے نشانۂ تنقید بناتے ہیں۔ امریکی مستشرق آرتھر جیفری کا یہ بیان اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ عیسائیت تو عہد نامہ جدید کے بغیر اپنا وجود باقی رکھ سکتی ہے، لیکن اسلام، قرآن مجید کے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس کی یہ بات بالکل درست ہے۔ مسلمانوں کے عقائد، عادات اور کلچر وغیرہ سب کچھ کی بنیاد قرآن کریم ہے۔ امت مسلمہ کے پاس اگر قرآن نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ اہل اسلام کے ہاں قرآن مجید کی اسی بنیادی حیثیت کے سبب دشمنوں نے اسے خصوصی طور پر ہدف تنقید بنایا۔ مخالفین کی طرف سے قرآنِ کریم کو ہدفِ تنقید بنانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہ کتاب انسانیت کو ایک ایسا عالم گیر پیغام دیتی ہے، جو دیگر مذاہب عالم نہیں دیتے۔ دراصل قرآنِ کریم ایک خاص عالمی نقطہ نظر (World-view) رکھتا ہے۔ زندگی کے بارے میں ایک خاص موقف کا حامل ہے۔ دیگر مذاہب کے لوگوں میں سے کسی پر خدا پرستی کا شوق غالب آجائے، تو وہ زندگی اور اس کے علائق سے الگ تھلگ ہو کر ویرانے میں جا بیٹھتا ہے۔ یہودی ''ربی'' بن جاتے ہیں، عیسائی عورتیں، عیسائیت کی خدمت کے لیے شادی نہ کروا کے ''Nuns'' بن جاتی ہیں۔ ہندو بھگت پیپل کے نیچے ایک چادر اوڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ قرآن نے ایک بالکل دوسرا موقف پیش کیا۔ قرآن نے کہا ''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں سے پوچھو کہ اللہ

۱۳۔ الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الازدی المصری، ابی جعفر، مشکل الآثار، بیروت، دارالفکر، ب۔ت، ج۲، ص۱۰۲-۱۰۴، ج۴، ص۱۸۵۔

کی زینتیں ان پر کس نے حرام کیں؟''۔ یہ استفہام انکاری ہے، یعنی کسی نے حرام نہیں کیں۔ گویا قرآن انسانیت کو اس جانب بلاتا ہے کہ یہ ساری دنیا انسان کے تسخیر کرنے کے لیے ہے۔ اللہ والا ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دنیا سے رُخ موڑ لیں۔ اللہ والا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ خلوت میں ہیں، تو جلوت میں آجائیں، اگر آپ اکیلے بیٹھے ہیں تو انسانی محلوں میں آکر رہیں۔ آنحضورؐ نے اپنے آپ کو اسی تعلیم کے نمونے کے طور پر پیش کیا اور جب لوگوں نے اعتراض کیا تو آپ نے واضح فرمایا کہ میں نے تمھارے درمیان زندگی کا بڑا عرصہ گزارا ہے، تم تو مجھے جانتے ہو۔ میں عملی مثالی نمونہ (Role-model) ہوں۔ میں نے جو تبلیغ کی ہے، سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ گویا قرآن کریم ایک نیا (World-view) پیش کرتا ہے۔ قرآن خدا پرستی (Godliness) کا ایک نیا تصوُّر دیتا ہے، جو زندگی میں بھرپور حصہ لینے کا تصور ہے۔ زندگی سے کنارہ کش ہونے کا تصور نہیں ہے۔ دیگر مذاہب کے رائج تصوُّراتِ حیات کے برعکس، اسلام زندگی گریز رویوں کی بجائے زندگی مائل رویوں کی تعلیمات کا داعی ہے۔

مخالفین اسلام کے قرآن پر حملہ آور ہونے کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ہم مسلمان دنیا میں اپنی بہت بڑی تعداد (۱۴) کے باوصف اس کتاب کو انسانیت کے سامنے صحیح طور پر متعارف نہیں کروا سکے۔ تاہم دشمنانِ قرآن بحمداللہ تعالیٰ کبھی کوئی ایسی مستند بات سامنے نہیں لا سکے، جس کو علمی بنیادوں پر ہم قرآن کے خلاف ایک ثابت شدہ دلیل کہہ سکیں۔

اِس کتاب کا نفسِ مضمون کیا ہے؟ دنیا میں جتنی بھی کتابیں ہیں، جس فن کی بھی ہیں،

۱۴۔ مسلمان آج دنیا میں اتنی تعداد میں ہیں کہ دنیا کا ہر چوتھا آدمی کلمہ گو ہے اور دنیا کی تقریباً ۱۶ ارب آبادی میں سے تقریباً ڈیڑھ ارب افراد مسلمان ہیں۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اُن کا ایک خاص Subject-matter ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فزکس کی کوئی کتاب ہے، تو مادے سے بحث کرتی ہے۔ کیمسٹری کی کوئی کتاب ہو تو مادے کی Properties اور اس کے خواص سے بحث کرتی ہے۔ جغرافیے کی کوئی کتاب ہے، تو وہ ابتدائے آفرینش، کرۂ ارض اور اس کی بناوٹ کو اپنا موضوع بنائے گی۔ سیاسیات کی کوئی کتاب ہے، تو وہ سیاسی نظریات اور نظام ہائے حکومت کو زیر بحث لائے گی۔ قرآن کریم کا موضوع صرف اور صرف انسان ہے، وہ انسان سے وابستہ جو جو حقائق اور عناصر ہیں، اُن سب کو اپنا موضوع بناتا چلا جاتا ہے۔ انسان چونکہ اس کرہ ارضی میں رہتا ہے، لہٰذا قرآن کریم انسان کے گردوپیش، چاند اور ستاروں کا بھی ذکر کرتا ہے، انسانی تاریخ کو بھی کبھی کبھار موضوع بناتا ہے؛ لیکن قرآن کا اصل موضوع انسان ہی رہتا ہے اور قرآن چاہتا ہے کہ تمام انسان مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیں، جس میں سارے کے سارے لوگ اخلاقی جدوجہد اور اخلاقیات کی بحالی وفروغ میں مصروف ہوں، روحانی میلانات کے حامل ہوں، یعنی ایک ایسا معاشرہ قائم کریں، جو خودشناسی کی منازل طے کرتے ہوئے، قرارِ واقعی خداشناس معاشرہ کہلانے کا مستحق ہو۔

قرآنِ کریم کے اُسلوب کے بارے میں بالعموم ایک غلط فہمی بہت عام ہے؛ جس کی وضاحت ضروری ہے۔ اکثر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ عجیب کتاب ہے کہ ابھی ایک آیت میں ابتدائے آفرینش کا تذکرہ کیا گیا ہے، اگلی آیت میں اعمال وافعال کے بارے میں ہدایات دی جانے لگی ہیں، پھر والدین کا تذکرہ آ گیا، پھر آخرت کا ذکر ہونے لگا، جنت اور دوزخ کے مناظر آ گئے، پھر تاریخی واقعہ بیان ہو گیا۔ (۱۵) لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی

۱۵۔ قرآن کے نفس مضمون اور اسلوب سے متعلق تفصیلات کے لیے علوم القرآن کی کتابیں مثلاً، البرہان للزرکشی،، الاتقان للسیوطی اور اعجاز القرآن لمصطفی صادق الرافعی وغیرہ ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بظاہر مختلف موضوعات پر یکے بعد دیگرے آنے والی ساری آیات کے درمیان ایک معنوی ربط ہے۔ یہ معنوی ربط اُس وقت تک سمجھ میں نہیں آ سکتا، جب تک اس بات کو نہ سمجھ لیا جائے کہ دراصل پوری کی پوری انسانی زندگی کو قرآن کریم ایک اکائی تصور کرتا ہے؛ مثلاً مَیں اپنی زندگی میں کسی کا بیٹا ہوں، کسی کا باپ ہوں، کسی کا افسر ہوں، کسی کا ماتحت ہوں، میرے ذمے کسی کے حقوق ادا کرنے واجب ہیں، اسی طرح کسی اَور کے ذمے میرے حقوق واجب الادا ہیں۔ یہ پوری زندگی ایک اکائی (Unit) ہے۔ جب میں اپنے فرائض کی ادائیگی سے کوتاہی برتتا ہوں، تو یہ کتاب مجھے یاد دلاتی ہے کہ کل تم نے اللہ کے حضور پیش ہونا ہے، یہ کتاب مجھے یاد دلاتی ہے کہ اپنے جھمیلوں میں، اپنی مصروفیات میں الجھ کر تم نے اپنے بوڑھے والدین کو نظر انداز نہیں کر دینا۔ کچھ فرائض تمھارے ذمے تمھاری اولاد کے ہیں، تم نے انھیں فراموش نہیں کرنا۔ قرآنِ کریم کو اِس فکر کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ دراصل اس کتاب نے پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے زندگی کو ایک وحدت تصور کیا اور انسان کی رہنمائی کی ہے۔ (۱۶)

قرآنِ کریم میں محفوظ ہونے والے واقعات اور قصوں کا اندازِ پیش کش بھی اِسی نوعیت کا حامل رہا ہے۔ کوئی واقعہ، ماسوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے، کہیں بھی ایک نشست میں پورے کا پورا بیان نہیں کیا گیا (۱۷) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۱۶۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، کراچی، مکتبہ دارالعلم، ب۔ت، ص ۲۹۳۔

۱۷۔ حضرت یوسفؑ کا ذکر قرآن میں ۲۷ بار آیا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو(۱۸) حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہو(۱۹) یا پھر حضرت آدم علیہ السلام کا(۲۰)، کوئی واقعہ ابتدائے آفرینش سے متعلق ہو، یا ابلیس کے بارے میں کوئی حکایت ہو، قرآن کریم نے یہ واقعات ایک جگہ، ایک ہی نشست میں بیان نہیں فرمائے، بلکہ انسانون کی رہنمائی، یاد ہانی اور نصیحت وعبرت کے مقاصد کے پیش نظر مختلف مواقع پر حسبِ ضرورت بیان ہوئے ہیں۔ جہاں جتنی بات، جتنا واقعہ بیان کرنے کی ضرورت خیال کی گئی ہے، وہاں اُسی قدر بات اور اسی قدر واقعہ بیان کر دیا گیا ہے۔

اِسی پس منظر میں قرآن فہمی کا ایک اَور بنیادی اصول بھی میں اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں عرض کرتا چلوں۔ اگر کسی چیز کے بارے میں، قرآنِ کریم کا موقف جاننا ہو، تو یہ واضح رہے کہ قرآن کریم اپنے موقف کو یک بارگی یا ایک ہی جگہ بیان نہیں کر دیتا۔ کسی چیز کے بارے میں قرآن کریم کا موقف جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس موضوع پر قران مجید کی جتنی آیات ہیں اُن سب کو آپ ایک جگہ اکٹھا کرلیں؛ اُس کے حق میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں، اُن کو بھی مجتمع و یک جا کرلیں، پھر آپ کو قرآن اور اسلام کا موقف اُس چیز کے بارے میں نہ صرف یہ کہ معلوم ہو جائے گا، بلکہ اپنی باریکیوں کے ساتھ اظہر من الشّمس ہو جائے گا اور سوچ کو نئی روشنی عطا کرے گا۔

انسانی کلام تو اپنے حالات کے تابع ہوتا ہے، آج میرا یہ لہجہ میرے حالات نے مجھے

۱۸۔ حضرت ابراہیم کا ذکر قرآن کی مکی اور مدنی سورتوں میں مجملاً اور مفصلاً متعدد بار آیا ہے۔

۱۹۔ حضرت یونسؑ کو سورۃ القلم میں صاحب الحوت کہا گیا ہے۔

۲۰۔ حضرت آدم کا واقعہ قرآن کی متعدد سورتوں میں بیان ہوا ہے۔

دیا ہے۔ ہم میں سے کسی کے حالات خراب ہوں، کھانے کو کچھ نہ ملے، گھر میں بیماری ہو، لوگوں نے ستایا ہو، تو گفتگو اور بیان کا لہجہ اَور ہوگا، زبان اَور ہوگی؛ پھر اگر حالات بدل جائیں، تو زبان و بیان کا انداز کچھ اَور ہوگا، یہ انسانی کلام کا خاصہ ہے؛ لیکن قرآنِ کریم کا معاملہ یکسر مختلف ومنفرد ہے۔ یہ کتاب تو اُس وقت بھی اُترتی تھی، جب آں جنابؐ شعبِ ابی طالب میں محصور تھے؛ یہ کتاب اُس وقت بھی اُترتی تھی، جب اہلِ مکہ آپؐ کے ساتھ جفا پر آمادہ تھے؛ یہ کتاب اُس وقت بھی نازل ہوتی تھی، جب آپؐ مدینہ منورہ میں حاکمِ اعلیٰ تھے، چیف جسٹس تھے، فوجوں کے سپہ سالار تھے؛ لیکن چوں کہ قرآنِ کریم انسانی زندگی کے وقتی خواص اور ماحول سے متاثر نہیں ہے، لہٰذا مکی آیات ہوں یا مدنی؛ ہر قسم کے خارجی اثر و تاثر سے پاک اور بالاتر ہیں۔ مکی آیات میں کہیں دوستوں کا شکوہ نہیں ہے اور مدنی آیات میں کہیں آپ کو تعلّی نہیں ملے گی، کیوں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ پورے کے پورے قرآن میں تین چیزیں بنیادی ہیں: توحید، رسالت اور آخرت۔ نیز ہر طرح کی بات بیان کرنے کے لیے ایک ہی اُسلوب اپنایا گیا ہے۔ خاص طور پر قرآنِ کریم کا تیسواں پارہ دیکھیں؛ تیسویں پارے میں جتنی بھی سورتیں ہیں، ساری کی ساری ہجرت سے پہلے اُتریں، سوائے تین چھوٹی سورتوں کے۔ پہلی ''سورۃ البینۃ'' یعنی: لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۔(۲۱) دوسری ''سورۃ الزلزال'' یعنی: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا ۔(۲۲) اور تیسری ''سورۃ النصر'' ہے: اِذَا

۲۱۔ القرآن، البینۃ ۹۸:۱۔

۲۲۔ القرآن، الزلزال ۹۹:۱۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۔(۲۳) ان تینوں سورتوں کے علاوہ سارے کا سارا تیسواں پارہ ہجرت سے پہلے کی زندگی میں اُترا۔ لیکن قرآنِ کریم کے مستقل اُسلوب کی وجہ سے ہمیں اندازہ نہیں ہو پاتا کہ یہ آیت مکی ہے یا مدنی؛ البتہ ہم نے اپنے طور پر ایک پیمانہ مقرر کیا ہوا ہے، کہ چوں کہ مکہ مکرمہ میں حضورؐ کے حالات ایسے نہیں تھے کہ آپؐ اسلامی معاشرہ قائم کریں، اِس لیے وہاں احکامات کی آیات کم اور عقائد پر مبنی آیات زیادہ ہیں؛ جب کہ مدینہ میں احکامات پر مبنی آیات کی کثرت ہے۔ بہر حال اپنے اسلوب کے اعتبار سے چوں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، اِس لیے اِس میں انسانی کلام کے خواص بھی نہیں ہیں۔ اس کی ایک ایک آیت بتاتی ہے کہ یہ اُس بلند و بالا کا کلام ہے، جو انسانی زندگی اور اس کے علائق سے منزہ ہے۔

﴿☆﴾

۲۳۔ القرآن، النصر ۱۱۰:۱۔

باب چہارم

قرآنِ کریم کی حقانیت-ایک مسلسل معجزہ

قرآنِ کریم کا کہنا ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب ہے جو Un-immitable ہے اور جس کی کوئی نقل تیار نہیں کی جا سکتی، اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور وہ ہر قسم کے تضادات و تناقضات سے پاک ہے۔ زیرِ نظر سطور میں قرآن کے ان دعاوی کے حوالے سے چند اہم نکات پیش کرنا مقصود ہے۔

قرآن کے اس دعوی کے ضمن میں، کہ وہ ہر طرح کے تضادات سے پاک ہے، یہ امر ذہن میں رہے کہ تضاد کی کئی صورتیں ہیں؛ مثلاً یہ کہ انسانی علم کچھ اور تقاضا کر رہا ہے، اور قرآن کچھ اور کہہ رہا ہے؛ تاریخ کچھ اور حقائق سے آگاہ کر رہی ہے، اور قرآن کچھ اور واقعات کی نشان دہی کر رہا ہے۔ باقی کتابوں میں یہ تضاد عام ہے مگر قرآن اس سے کلیتاً پاک ہے۔ قرآن کے بڑے سے بڑے دشمن اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کے باوصف آج تک کوئی بھی ایسا تضاد سامنے نہیں لا سکے، جسے علمی بنیادوں پر واقعی تضاد کہا جا سکے۔

قرآنِ کریم کی زبان کے حوالے سے تفصیلی بحث گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے، یہاں ہم صرف اشارۃً یہ ذکر کر کے آگے چلیں گے کہ آدمِ ثانی حضرت سیّدنا نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں میں سے سام کی اولاد کی زبانوں میں سب سے اہم زبان عربی ہے، جب کہ دیگر زبانوں میں آشوری، بابلی، آرامی، عبرانی اور فینیقی وغیرہ سامی زبانوں میں شامل ہیں۔ مذکورہ زبانوں میں سے عربی کے علاوہ کوئی زبان زندہ زبان نہیں رہی۔ صرف ایک اور زبان ان معنوں میں زندہ کہی جا سکتی ہے کہ وہ ایک معاشرہ میں افراد کے درمیان رابطے کی زبان

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور یہودیوں نے ساڑھے تین ہزار سال بعد بڑے جتن کر کے اس کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کی کوشش کی ہے، یہ عبرانی زبان ہے۔ زبانوں کے اِس خاندان کو سامی (Semitic) زبانیں کہا جاتا ہے۔(۱) اِسی طرح آگے چل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تین مذاہب رائج ہوئے: یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔ اِن تینوں مذاہب کو بھی سامی مذاہب (Semitic Religions) کہا جاتا ہے۔

چنانچہ سامی زبانوں میں سے اِس وقت صرف دو زبانیں: عربی اور عبرانی، انسانیت کے استعمال میں ہیں۔ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ ۱۹۴۸ء میں جب سامراج نے بالفور ڈیکلریشن کے ذریعہ یہودیوں کو فلسطین میں اکٹھا کیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کیا، اُس وقت مقامی یہودیوں کی تعداد چار پانچ لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔ دس لاکھ یہودی امریکہ اور برطانیہ، بالخصوص سکاٹ لینڈ سے لاکر آباد کیے گئے؛ اِسی طرح دس لاکھ سے زیادہ یہودی کمیونسٹ ممالک سے آئے اور اِس وقت اسرائیل کی آبادی چھتیس [۳۶] لاکھ سے متجاوز ہے۔ پوری دُنیا میں اِس وقت یہودیوں کی تعداد ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم ہے، لیکن دُنیا پر اِن کی گرفت مضبوط ہے، اِس لیے کہ یہ پڑھے لکھے ہیں اور باہم متحد ہیں۔

پوری دُنیا سے اسرائیل کی طرف نقل مکانی کرنے والے یہودیوں کے بارے میں صاف ظاہر ہے کہ وہ مختلف زبانوں کے بولنے والے تھے۔ کوئی روسی زبان بولتا تھا اور کوئی انگریزی، کوئی عربی بولتا تھا اور کوئی فارسی۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ اُنھوں نے لسانی تعصُّبات سے بالاتر ہوکر اپنی قومیت کی تشکیل کی اور مختلف زبانوں کو بنیاد بنا کر باہم دست و گریباں نہ ہوئے۔ اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی قومی شناخت کے لیے اپنے مذہب کی زبان

۱۔ رضوی، ڈاکٹر خورشید، عربی ادب قبل از اسلام، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء، ج۱، ص۱۷-۱۸۔

یعنی عبرانی کو زندہ کیا جائے۔ اِس کے برعکس ہمارا پاکستانیوں کا حال یہ ہے کہ اپنے ملک میں جو ایک زبان پوری قوم کی اجتماعی شناخت کا ذریعہ تھی، اُسی کو رواج اور فروغ دے سکے اور نہ من حیث القوم اپنا سکے۔ اسرائیل ہمارے بعد قائم ہوا، مگر اپنے قیام کے چار پانچ برسوں کے اندر اندر عبرانی وہاں کے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دفاتر کی زبان کے طور پر ابھر آئی۔ یہ عبرانی زبان کے احیائے نَو کی مختصر کہانی تھی۔ اس کہانی سے یہ اظہر من الشّمس ہے کہ جن قوموں نے اپنا وجود برقرار رکھنا ہو، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر باہم دست و گریباں نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ اپنے اجتماعی وجود کے استحکام کی خاطر اتحاد و اتفاق سے محو سفر ہوتی ہیں۔

عربی ''ام الالسنہ السامیۃ'' یعنی: سام زبانوں کی ماں کہلاتی ہے۔ جب آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اُس وقت عربی اُسی صورت میں موجود تھی، جیسی آج ہے؛ البتہ اِس کے رسم الخط میں ضرور ترقی ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں کوفہ، علم کا بہت بڑا مرکز بن گیا، حضرت عثمانؓ کے دَورِ حکومت میں ''مصحفِ عثمانی'' کے نام سے قرآنِ کریم دوبارہ لکھا گیا، جو خطِ کوفی میں تھا اور جو اِس وقت ہمارے پاس محفوظ بھی ہے۔ اِس کے بعد بنوامیہ کے زمانے میں قرآنِ کریم کے متن پر اعراب (زیر زبر پیش) کا اہتمام کیا گیا، جو یقیناً ایک بڑی خدمت ہے۔ تفصیل میں گئے بغیر یہ اشارہ کافی ہے کہ اگر اعراب کا اہتمام نہ کیا گیا ہوتا، تو غیر عربوں کے لیے اِس کا پڑھنا اور اِس کی تفہیم نہایت مشکل ہوتی۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ اُس زمانے میں کسی عجمی کو قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت میں لفظ رسول، لام کی زیر کے ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھا گیا یعنی: اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلِہٖ؛ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں سے بیزار ہے اور (معاذ اللہ) اپنے رسول سے بھی۔ جب کہ صحیح قراءت یوں ہے: اَنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَ رَسُوْلُہٗ (۲): یعنی اللہ اور اُس کے رسول، مشرکین سے بیزار ہیں۔

۲۔ القرآن، التوبہ ۹:۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اعراب کا اہتمام، مشہور روایت کے مطابق، اُس وقت کے ایک بدنامِ زمانہ ظالم شخص حجاج بن یوسُف نے عجمیوں کی سہولت کے لیے کیا۔ اس خدمت کا حجاج بن یوسُف کی جانب انتساب اگر درست ہے، تو ممکن ہے یہی خدمت اس کی بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

عربی زبان کے بارے میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ دُنیا کی آسان ترین زبان ہے۔ اگر عربی کے مقابلے میں کوئی دوسری آسان زبان ہوتی، تو یہ عالم گیر پیغام اُسی زبان میں نازل کیا جاتا۔ محض چار پانچ ماہ کی کوشش کے بعد عربی پڑھ کر قرآنِ کریم سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ خود قرآن میں اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔(۳)

''اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔''

یہ صرف عقیدت بھرا بیان نہیں ہے کہ عربی آسان زبان ہے۔ عربی زبان کے سہل ہونے کی کچھ وجوہات ہیں۔ عربی میں جتنے بھی الفاظ ہیں، وہ کسی نہ کسی Meter اور کسی نہ کسی وزن پر وضع کیے جاتے ہیں۔ ایک لفظ بھی عربی میں ایسا نہیں ہے، جس کے لیے کوئی Meter نہ ہو۔ جب قرآن نازل ہوا، اُس وقت بجلی تھی نہ پنکھا، ٹیلی ویژن تھا نہ جہاز، لینڈنگ تھی نہ ٹیک آف؛ لیکن حیرت ناک امر ہے کہ گزشتہ ساڑھے چودہ سو برسوں میں جو ایجادات منظرِ عام پر آئیں، اور اُن کے لیے جو الفاظ وضع ہوئے، وہ تمام کے تمام کتابِ اللہ ہی کے اوزان سے مستنبط کیے گئے۔ عربی زبان میں یہ کمال پوشیدہ ہے کہ یہ بیک وقت قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ اور اس کی یہ حیثیت ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیامِ قیامت یوں ہی قائم رہے گی۔

۳۔ القرآن، القمر ۵۴: ۴۰۔

ایک زمانہ میں برصغیر پاک و ہند میں سنسکرت کا بڑا رواج تھا، یہ علمی زبان کے طور پر اپنی شناخت رکھتی تھی اور اُدھر یورپ میں لاطینی زبان تھی، جو اینگلو سیکسن زبانوں کی ماں تصوُّر ہوتی تھی؛ لیکن ہوا کیا؟ وقت کے ساتھ ساتھ دونوں زبانیں فنا کے گھاٹ اُتر گئیں اور اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِن اعلیٰ ترین زبانوں کو قرآنِ کریم جیسی کسی کتاب کی سرپرستی میسر نہ آئی۔ عربی میں معروف مقولہ ہے کہ اگر قرآن نہ ہوتا، تو عربی زبان بھی باقی نہ رہتی، تو یہ صرف قرآنِ کریم کا اعجاز ہے کہ عربی آج تک حوادثِ زمانہ سے محفوظ چلی آتی ہے۔ گزشتہ اوراق میں بھی ذکر کیا گیا کہ کسی بھی زبان کی زیادہ سے زیادہ عمر اڑھائی سو سے تین سو سال پر محیط ہے۔ آج ایک زبان جس لہجے میں بولی جاتی ہے، بعید نہیں کہ آج سے دو سو سال بعد وہ لہجہ ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر جائے۔ مثلاً آج ہمارے دوست تاج محمد لنگاہ، جو سرائیکی صوبہ بنا رہے ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ یہ سرائیکی بیلٹ ہے اور سرائیکی بولنے والوں کے لیے ایک الگ صوبہ ہونا لازم ہے؛ گویا زبان کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو بانٹا جا رہا ہے۔ اِدھر اسرائیل اور یہودیوں کے حوالے سے ہم نے ابھی دیکھا کہ انہوں نے کس طرح متحد اللسان ہو کر قومی شعور کا مظاہرہ کیا۔ ہمیں بھی اس سے سبق سیکھتے ہوئے زبانوں کی بنیاد پر گروہوں میں تقسیم ہونے سے بچنا ہوگا۔

اب دیکھیے کہ سرائیکی زبان کی حیثیت کیا ہے۔ ہمارے ایک دوست نے قدیم پنجابی، یا سرائیکی شاعری پر کام کرتے ہوئے، جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانے کے کم و بیش تین سو پچھتر شعرا کا کلام یکجا کیا ہے۔ جب اہلِ ملتان اِس کا مطالعہ کرتے ہیں، تو اِسے قدیم سرائیکی گردانتے ہیں اور جب اہلِ لاہور اِس کلام کو دیکھتے ہیں، تو اِسے قدیم پنجابی قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تین سو سال قبل یہ ایک ہی زبان تھی اور ایک ہی زبان کے تحت مختلف لہجوں کی حامل تھی، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دونوں لہجے الگ الگ زبانوں میں متشکل ہو گئے۔ زبانوں اور لہجوں کی بنیاد پر تعصب برتنا اور قوموں میں تفرقہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

ڈالنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔حضورؐ نے عصبیت کی سخت مذمت کی ہے۔ابنِ ماجہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

من دعا الی العصبیة فلیس منا، و من قاتل علی العصبیة فلیس منّا، و من مات علی العصبیة فلیس منا. (۴)

''جس نے عصبیت کی طرف دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں، اور جس نے عصبیت کی بنا پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت کے لیے لڑتے ہوئے مرا وہ ہم میں سے نہیں''۔

تمام ماہرین لغت تسلیم کرتے ہیں کہ کسی بھی زبان کی عمر تین سو سال سے زیادہ نہیں ہوا کرتی۔اِسے ایک اور مثال سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے کہ انگریزی کے ایک بہت بڑے ادیب ہیں: چوسر (Geoggery Chaucer)؛ چوسر کا انتقال ۱۳۹۹ء میں ہوا۔اس کے زمانے کی انگریزی اور آج کی انگریزی میں بعد المشرقین پیدا ہو گیا ہے۔لندن، جو کہ انگریزی کا مرکز ہے، میں اگر آج چوسر پھر سے زندہ ہو کر آ جائے، تو لندن کا ایک بھی آدمی اس کی زبان سمجھنے کا اہل نہیں ہوگا اور وہ خود آج کے لندن والوں کی کوئی گفتگو نہیں سمجھ سکے گا۔لیکن اِس کے برعکس عربی زبان حیرت انگیز طور پر آج بھی وہی ہے، جو نزولِ قرآن کے وقت تھی۔حضورؐ اگر آج مکہ یا مدینہ میں بنفس نفیس تشریف لے آئیں تو آپ کی زبان وہاں کا ہر آدمی بآسانی سمجھے گا۔

قرآن کا ایک اور بہت بڑا اعجازی پہلو اس کے الفاظ کا وقت کے ساتھ ساتھ اپنے معانی کو بعینہ برقرار رکھنا ہے۔دنیا بھر کی زبانوں کے بہت سے الفاظ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے معانی بدل لیتے ہیں، لیکن قرآن اس قانونِ فطرت کو توڑتے ہوئے، اپنے

۴۔القشیری، مسلم بن الحجاج النیشابوری، الجامع الصحیح، بیروت، دار الفکر، ب۔ت۔

اعجاز کو یوں مبرہن کر رہا ہے کہ اس کے الفاظ کے معنی مرورِ ایام اور امتدادِ زمانہ کے ساتھ بالکل تبدیل نہیں ہوئے۔اس سلسلہ میں ایک دو مثالوں سے بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی:

اردو ادب کی کلاسیکی کتب میں سے میر امن کی ''باغ و بہار'' محتاجِ تعارف نہیں۔یہ کتاب فورٹ ولیم اورنٹل کالج سے ۱۸۰۲ء میں شائع ہوئی۔اس میں میر امن نے لفظ ''رنڈیاں'' شریف زادیوں کے لیے استعمال کیا ہے۔لیکن آج لفظ ''رنڈی'' ہمارے دیہاتوں میں بیوہ اور شہروں میں بازاری عورت (۵) کے لیے استعمال ہوتا ہے۔میر تقی میر (متوفّٰی ۱۸۱۰ء) نے اپنے اشعار میں لفظ ''کنجر'' خانہ بدوش کے لیے استعمال کیا ہے۔جب کہ آج یہ لفظ ایک غلیظ گالی ہے، اور کسی صاحبِ ذوقِ سلیم کو اسے زبان پر لانا بھی سخت ناگوار ہے۔(۶) انگریزی زبان کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔چار سو سال قبل لفظ Nice بہت ہی بھدی گالی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔جبکہ آج یہ اس کے برعکس نہایت مثبت مفہوم میں مستعمل ہے۔(۷)۔بائبل کے ہر نئے ایڈیشن پر Revised

---

۵۔ دیکھیے: فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز، ب۔ت، حصہ اول، ص ۶۶۵۔فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، رافع اللغات، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء، ص ۳۹۴۔

۶۔ملاحظہ ہو: فیروز للغات، حصہ دوم، ص ۲۳۲۔ رافع اللغات، ص ۳۹۴۔

۷۔انگریزی الفاظ میں لفظ و معنی کی بحث اور الفاظ کے مفہوم میں تغیر و تبدل کے حوالے سے Semantics پر بہت سی کتب تحریر کی گئی ہیں۔اس سلسلہ میں تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Palmer, F.R, Semantics,Cambridge University Press,1976.

toobaa-elibrary.blogspot.com

Edition لکھا جاتا ہے اور دیباچہ میں یہ واضح کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں الفاظ قبل ازیں ان ان معانی کے لیے استعمال کیے گئے تھے، لیکن اب وہ اپنا مفہوم بدل چکے ہیں، لہذا ان کی جگہ اب یہ یہ نئے الفاظ لکھے جا رہے ہیں۔ The Holy Bible Revised Standard Version, 1952 کے دیباچہ میں لکھا ہے:

"There are more than three hundred such English words which are used in the King James Version in a sense substantially different from that which they now convey. It not only does the King James translators no honor, but it is quite unfair to them and to the truth which they understood and expressed, to retain these words which now convey meaning they did not intend.(8)

''تین سو سے زیادہ انگریزی الفاظ ایسے ہیں جو اب اس مفہوم سے بہت حد تک مختلف مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں، جس کے لیے وہ کنگ جیمز ایڈیشن میں استعمال کیے گئے تھے۔ یہ بات نہ صرف یہ کہ کنگ جیمز ایڈیشن کے مترجمین کی عزت وتکریم میں کمی کا موجب ہوگی، بلکہ ان کے لیے اور اس سچ کے لیے، جو وہ سمجھے اور جس کا انہوں نے اظہار کیا، سخت ناروا ہوگی، کہ ان الفاظ کو باقی رہنے دیا جائے، جو اب ایسا مفہوم دیتے ہیں

8. The Holy Bible:Revised Standard Version, London, Thomas Nelson and Sons,1952,p. xi.

جو ان کی مراد نہیں تھا۔''

مذکورہ بائبل میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ فلاں الفاظ کنگ جیمز ایڈیشن میں کس مفہوم میں استعمال کیے گئے اور آج ان سے کیا مفہوم لیا جاتا ہے، مثال کے طور پر لکھا گیا ہے:

The King James version uses the word "let" in the sense of "hinder", prevent" to mean "precede", "allow" in the sense of "approve"," communicate" for "share"," conversation" for "conduct"," comprehend" for "overcome", ghost" for "spirit", wealth " for "well being" ,allege" for "prove",...(9)

ان مثالوں سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دنیا کی تمام زبانوں میں الفاظ اور معانی کا باہمی تعلق عارضی ہے۔ یہ چیز ایک قانون فطرت کی حیثیت رکھتی ہے، اور جب کوئی قانون فطرت (Law of Nature) نبی کے ہاتھوں ٹوٹتا ہے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے، اور قرآن حکیم نے اس قانون فطرت کو توڑتے ہوئے الفاظ ومعانی کے مسلسل ربط کو برقرار رکھ کر اپنے مسلسل معجزہ ہونے کا ایک بہت بڑا ثبوت فراہم کیا ہے۔ الفاظ کے اپنے معانی بدل لینے کے عمل کو لسانیات کی زبان میں ''التوسّع الدلالی'' یعنی دلالت کا توسع یا Semantic extention کہتے ہیں۔ اور یہی دلالت کا توسع دنیا بھر کی سبھی زبانوں کے ذخیرہ الفاظ میں وقوع پذیر ہے۔ مگر قرآن کریم کے ذخیرۂ الفاظ میں اس توسع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن حکیم کے سیاقات میں استعمال ہونے والے الفاظ آج بھی وہی مفہوم دے رہے ہیں جو آج سے چودہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے دیتے

9. Ibid,pp.x-xi.

toobaa-elibrary.blogspot.com

تھے۔جبکہ دیگر عالمی زبانوں کے الفاظ وقت کے ساتھ ساتھ اپنے معانی بدلتے رہے ہیں۔گویا قرآن کریم دنیا بھر کی زبانوں میں وقوع پذیر قوانین کے برعکس، لفظ اور معنی کے تعلق کو قائم رکھے ہوئے ہے، لہٰذا یہ ایک مسلسل معجزہ ہے۔(۱۰)

قرآنِ کریم کی فصاحت جیسی فصاحت کسی اور کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ یہاں ایک مثال دینا بے جا نہ ہوگا؛ مستشرقین نے بڑی کوششیں کیں کہ ہم کسی طرح عربوں سے اُن کی یہ زبان چھین لیں۔ بہت سے مستشرقین مصر میں آ کر بیٹھ گئے کہ ہم مصر کے کلچر کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں کی زبان کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ایک پوری جماعت اللغة السعودية کے احیاء کے لیے کام کرتی رہی ۔J.Haywood کی بہت مشہور کتاب ہے: Arabic Lexicography (عربی لغت نویسی)۔وہ اٹھارہ انیس سال یمن میں بیٹھا رہا کہ یمن کے کلچر کی افزائش کے لیے ہم آپ سے تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ مستشرقین، بادشاہوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے کہ اُن کا کلچر باقی دنیا سے افضل اور اعلیٰ ہے، لیکن عربوں کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار اُن کی زبان ہے، جس کی بنیاد قرآنِ کریم پر ہے۔آپ حیران ہوں گے کہ بائیس کی بائیس، چھوٹی اور بڑی عرب ریاستوں میں ایک ہی دفتری زبان ہے، جو کتاب اللہ یعنی قرآنِ کریم سے ماخوذ ہے؛ ساری کی ساری عربی گرامر کتاب اللہ سے مستعار ہے؛ جہاں تک کتاب اللہ کی بلاغت کا تعلق ہے، تشبیہات، استعارات، تلمیحات، انداز بیان، سب کچھ قرآن سے لیا گیا ہے۔ ٹیلی ویژن ڈراموں میں

۱۰۔شودری، محمد اکرم، ھل یقع الترادف اللغوی فی القرآن الکریم؟ المکتبۃ الفیصلیۃ، مکۃ المکرّمۃ، ۱۹۸۵ء، ص ۹۳۔۹۷

پچھلے پانچ دس سالوں سے یہ رواج پڑ گیا ہے کہ ایک سلسلۂ واقعات میں اچانک ایک فلیش بیک آ جاتا ہے۔ یہ اُسلوب بھی کتاب اللہ سے مستعار لیا گیا ہے۔ بات کرتے کرتے کتاب اللہ ایک پچھلے واقعہ کا تذکرہ کرتی ہے۔ اگر کوئی ادب نواز کتاب اللہ کو پڑھے، تو اُس کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی، اس سے بہتر کوئی استعارہ نہیں ہو سکتا، اِس سے بہتر بلاغت کی کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

اسلوب قرآنی کے Un-immitable ہونے کی ایک بدیہی شہادت وہ واقعہ بھی ہے، جو علامہ طنطاوی جوہری کے حوالے سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کس طرح عربی زبان کے بڑے بڑے جید عالم مستشرق قرآن کے اسلوب میں ایک جملہ تخلیق کرنے میں ناکام ہو گئے تھے اور ان کے جہنم کی وسعت کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے بنائے گئے جملوں کے مقابلہ میں، جب قرآن کی یہ آیت پیش کی گئی تھی کہ:

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ . (۱۱)

''جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو بھر گئی؟ اور وہ گویا ہوگی: کیا کچھ اور بھی ہے؟''

تو سب نے اقرار کیا تھا کہ ان میں سے کسی کا تخلیق کردہ جملہ بھی قرآن کے اسلوب کی عظمت و جامعیت کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا اور انہیں تسلیم کرنا پڑا تھا کہ قرآن سے زیادہ بلیغ کوئی کتاب دنیا میں نہیں ہے۔(۱۲)

۱۱۔القرآن، ق ۵۰:۳۰۔

۱۲۔طنطاوی، جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن (بذیل سورۃ الاعراف: ۱۸، سورۃ ق: ۳۰)، بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۱ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

گزشتہ مندرجات میں جو پہلو بہت تشنہ رہا، وہ میں اپنے قارئین کے لیے بطورِ خاص عرض کرنا چاہتا ہوں؛ کہ ییل (Yale) یونیورسٹی کے ٹوری (Torrey) اور ایڈنبرا (Edinburgh) یونیورسٹی کے بیل (Bell) (۱۳) نے Principle of Higher Criticism (اصول انتقاد اعلی) متعارف کرایا اور قرآن کریم پر اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے اس میں بزعم خویش خامیوں اور تضادات کی نشاندہی کی کوشش کی۔ آرتھر جیفری لکھتا ہے:

"Recent research by Dr. Bell of Edinburgh and Prof. Torrey of Yale has suggested that there is internal evidence in the Quran itself that the prophet kept in his own care a considerable mass of revelation material belonging to various periods of his activity, some of it in revised and some of it in unrevised form, and that this material was to form the basis of the Kitab he wished to give his community before he died. Death, however, overtook him before anything was

---

۱۳۔Bell کی مشہور کتاب ہے:

Bell Richard, Introduction to the Quran, Edinburgh University Press,1953.

done about the matter".(14)

''ایڈنبرا کے ڈاکٹر بیل اور ییل کے ڈاکٹر ٹوری کی جدید ترین تحقیق کے مطابق قرآن میں اس بات کی داخلی شہادت موجود ہے کہ پیغمبر اسلام کے پاس اپنے مشن کے مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والا وحی کا بہت سا مواد موجود تھا، جس میں سے کچھ نظر ثانی شدہ اور کچھ غیر نظر ثانی شدہ تھا۔ اس مواد سے وہ اپنی قوم کے لیے ایک کتاب مرتب کرنے کے خواہش مند تھے، لیکن اس سے پہلے کہ مواد کو مرتب کیا جاتا، پیغمبر اسلام کا انتقال ہو گیا۔''

اصول انتقاد اعلی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک نص (Text) کی داخلی شہادت سے اس عبارات کی کمزوریاں اور تضادات از خود طشت از بام ہو جاتے ہیں۔ یہ اعلی ترین اصول انسانی تخلیقات کے بارے میں یقیناً بہت کارگر اور مفید ہے لیکن الوہی ہدایت پر اس کا اطلاق ہرگز ممکن نہیں۔ ٹوری اور بیل نے یہ کوشش کی اور دیگر مستشرقین نے بھی اس اصول کو کام میں لاتے ہوئے ایسا کرنے کی سعی کی، جیسا کہ آرتھر جیفری کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔ وہ مذکورہ تناظر میں ییل اور ٹوری کا تائیداً حوالہ دے رہا ہے، اور خود بھی یہی ثابت کرنا چاہتا ہے کہ قرآن عام انسانی کتابوں ہی کی طرح ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سرگرمی کے مختلف ادوار کے مواد کی قطع و برید اور اس پر نظر ثانی کا اہتمام کرتے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں محض ظن و تخمین پر مبنی ہیں جو، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، خود مغربی اصول تحقیق کے

14.Jeffery, Arthur,The Materials for History of the Text of the Quran, Lieden, 1937, p.5.

toobaa-elibrary.blogspot.com

خلاف ہیں۔ چنانچہ مستشرقین اپنی ان بے سروپا اور سراسر تعصب پر مبنی نگارشات سے قرآن سے متعلق اپنے مقاصد حاصل کرنے میں بالکل ناکام رہے۔ یہ نہ تو قرآن کریم کو انسانی کلام ثابت کر سکے اور نہ ہی اس کی آیات میں کوئی تضاد و تناقض اور کوئی بھی ایسی خامی پیش کر پائے جسے کوئی غیر جانبدار محقق واقعی خامی یا تضاد قرار دے۔

باب پنجم

قرآن کریم - ایک ذریعۂ علم

گذشتہ عنوانات کے تحت قرآنِ کریم کے ایک مسلسل اور دائمی معجزہ ہونے کے حوالے سے کئی دلائل وشواہد پر بات ہوئی۔ زیرِ نظر عنوان کے تحت قرآن کے اعجاز کے اس پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ حیران کن علمی عجائبات سے مملو ہے اور ایک بہت بڑا ذریعۂ علم ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں اپنے مختلف مقالات میں فزکس، کیمسٹری، بائیولوجی، زوالوجی، باٹنی اور میڈیکل سائنس کے لوگوں سے اپیل کی کہ آپ سب اپنے اپنے علمی میدان کے شاہ سوار ہیں اور یہ تمام علمی حیثیتیں آپ کو مبارک ہوں، تاہم آپ اپنے اپنے میدان میں رہتے ہوئے طالب علم بن کر، ایک مرتبہ قرآنِ کریم کا مطالعہ ضرور کریں اور پھر اپنے حاصلاتِ مطالعہ سے دنیا کو مطلع کریں۔ دراصل اس اپیل کا حاصل یہ تھا کہ قرآن کو حصول برکت کے ذریعہ (Source of Grace) کے ساتھ ساتھ، ذریعۂ علم (Avenue of Knowledge) کے طور پر بھی آزما کر دیکھیں۔

قرآنِ کریم کی بیسیوں آیات میں ایسی معلومات دی گئی ہیں، جو آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آپؐ سے پہلے کی تہذیبوں یعنی یونانی، ایرانی اور ہندی وغیرہ تہذیبوں میں اگر بعض باتیں یکسر پائی ہی نہیں جاتی تھیں اور وہ سب سے پہلے تاریخ انسانی میں قرآن کے ذریعے سامنے لائی گئیں، تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی انسان ان آراء اور نظریات کا خالق اور موجد ہو سکتا ہے۔ وہ انسانی تخلیق ہو ہی نہیں سکتیں، کیوں کہ انسانی تاریخ نے اس سے پہلے کبھی ان کے بارے میں کچھ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سنا ہی نہیں تھا۔ یہ ایسی چیز ہے جو بالبداہت قرآن کے الوہی ماخذ (Divine Character) کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔قرآنِ کریم تمام زمانوں اور رہتی دنیا تک کے لیے نازل کیا گیا ہے، اِس لیے یہ ممکن ہے کہ کتاب اللہ کی بعض آیات آج ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں،لیکن آنے والے دنوں میں ہم اُن کی صحیح تفہیم کا حق ادا کرسکیں۔فروغ علم کے ساتھ ساتھ قرآن کے نئے نئے معانی سامنے آتے رہنے کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہایت اہم ہے کہ:

لَا یَنْقَضِی عَجَائِبُہ وَلَا یُخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَدِّ.(۱)

''قرآن کی حیران کن اور محیر العقول باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی اور یہ کتاب بار بار پڑھنے اور دہرانے سے،انسانی طبیعت کے اندر کبھی اکتاہٹ پیدا نہیں کرے گی۔''

قرآن کس نوع کے علمی عجائبات سے لبریز ہے اور یہ کس طرح مختلف شعبہ ہائے علم کے حوالے سے ایک بہت بڑا ذریعہ علم بن سکتا ہے، یہ حقیقت درج ذیل چند حقائق سے اچھی طرح واضح ہوجائے گی:

سورۃ یٰسین میں ہے:

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَھَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ .(۲)

''سورج اپنی منزل کی طرف گام زن ہے۔یہ زبردست علم والے کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔''

اسی سورہ مبارکہ میں ہے:

۱۔ الترمذی،الجامع الصحیح،باب ماجاء من فضل القرآن،ص ۱۴۳۔

۲۔ القرآن،یٰسین ۳۶:۳۸۔

وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ .(۳)

''سب (اجرام فلکی) اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔''

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ سورج اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ اور دوسری آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تمام اجرام فلکی اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔فزکس کے ماہرین ایک عرصہ اس بات پر مُصر رہے کہ سورج ساکن (Stationary) ہے اور باقی ساری چیزیں اِس کے اردگرد محوِ گردش ہیں۔مخالفین اسلام نے مسلمانوں پر زبان طعن دراز کیے رکھی کہ قرآن سورج کو متحرک کہہ رہا ہے حالانکہ وہ ساکن ہے۔لیکن جب نیبولا (Nebula) اور بگ بینگ (Big Bang) کا تصوُّر سامنے آیا(۴) تو معلوم ہوا کہ واقعتاً سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لے کر ایک اَن دیکھی منزل کی جانب بڑھتا چلا جارہا ہے۔اس سے نہ صرف مخالفین اسلام کے منہ بند ہوگئے بلکہ قرآن کی مذکور آیت بھی صحیح طور پر سمجھ آگئی۔

۳۔ القرآن،یٰسین ۳۶:۴۰۔

۴۔ واضح رہے کہ نیبولا اور بگ بینگ کا تصور دینے والے سائنس دانوں میں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔قرآن کے غیر معمولی سائنسی انکشافات اور جدید سائنس کے بہت سے مسائل میں قرآنی بیانات سے تطابق کے حوالے سے تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

Mauric Bucaille,The Bible, the Quran and Science, translated from the French by Alastair D.Pannell and the Author.N.D.

ہارون یحییٰ،اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لیے،لاہور،ادارہ اسلامیات،۲۰۰۱ء۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سورۃ یٰسین ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ. (۵)

''اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اُس کے اعضاء و جوارح کی خلقت کو کمزور کر دیتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں۔''

گویا جس کو لمبی عمر ملتی ہے، اس کے اعضا و جوارح کی خلقت (Constitution) کمزور ہو جاتی اور اس کے Tissues میں اضمحلال (Decay) شروع ہو جاتا ہے۔ اب یہ بات اُسی کی سمجھ میں آسکے گی، جو نظامِ فطرت کو سمجھتا ہوگا۔

قرآنِ کریم نے Water-cycle کا بھی نہایت خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ. (۶)

''اللہ وہ ہے، جو ہواؤں کو بھیجتا ہے، جو بادلوں کو اپنے دوش پہ اُٹھائے پھرتی ہیں؛ پھر اللہ تعالیٰ آسمان میں ان بادلوں کو جیسے چاہتا ہے، پھیلا دیتا ہے۔''

افلاطون (Plato) اور ارسطو (Aristotle) نے لوگوں کو بتایا تھا کہ ہوا کے شدید دباؤ (Thrust) اور زور سے سمندر کی موجوں کے ساحلِ سمندر سے ٹکراؤ کے سبب زیرِ زمین آبی گذرگاہوں کے راستے پہاڑوں کی بلندیوں پر چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ مغربی فلسفہ کے باوا آدم رینے ڈیکارٹ (Rene Descartes متوفّٰی ۱۶۵۰ء) کا بھی یہی خیال تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چشمے سمندری ہواؤں اور

۵۔ القرآن، یٰسین ۳۶:۶۸۔

۶۔ القرآن، الروم ۳۰:۴۸۔

لہروں کے Thrust کے سبب پھوٹتے ہیں۔ اس کے برعکس دیکھیے قرآنِ کریم نے مذکورہ صدر آیت میں Water Cycle کو کس خوبصورتی سے بیان کیا ہے!

اِسی طرح سورہ انبیاء میں فرمایا:

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ. (۷)

''اور ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ رکھا ہے۔''

اب اِس میں کسی صاحبِ نظر کو شک نہیں کہ دنیا میں جہاں جہاں زندگی و روئیدگی دکھائی دیتی ہے، نمی ہی کے سبب سے ہے۔ آج تو سائنس دانوں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ زندگی کا بنیادی مزاج (Character) ہی نمی پر مبنی، یعنی Aquatic ہے۔ جہاں نمی نہیں ہوتی، وہاں صرف ریگستان ہوتے ہیں اور جہاں نمی ہوتی ہے، وہاں پودے نشوونما پاتے، پھول کھلتے، باغ مہکتے، فصلیں اُگتی اور انسانوں کے بسیرے ہوتے ہیں۔ گویا زندگی کا سارا ہنگامہ، ساری رونق اور دنیا کی ساری ہماہمی پانی ہی کے دم سے ہے۔ زندگی کی پانی سے نمود کی تعبیر کے لیے انگریزی میں کہا جاتا ہے: Life has aquatic character۔ یعنی: حیات کی بنیاد پانی ہے۔ پانی کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اگر آج پانی کا قحط پڑ جائے تو چند دنوں میں دنیا کے زرخیز ترین خطے صحراؤں میں بدل جائیں۔ میرے جسم میں دو لیٹر پانی کم ہو جائے تو میں De-hyderation کا شکار ہو جاؤں غور کیجیے! اس طرح کی اہم باتوں کا کوئی تصور پہلے کی تہذیبوں میں پایا جاتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ آپؐ سے پہلے کی تہذیبوں مثلاً رومن امپائر، یونانی، ایرانی اور ہندو وغیرہ تہذیبوں میں ایسی کوئی چیز کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔ اِس بات کی توجیہ اس کے علاوہ کیا ہو سکتی ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اس ذات برترِ و اعلیٰ کا کلام ہے، جو کائنات کی خالق و مدبر اور

۷۔ القرآن، الانبیاء ۲۱:۳۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے ذرے ذرے سے مکمل طور پر آگاہ وآشنا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ بات قرآن کے Divine Character کو ثابت کرتی ہے۔

ایک دو مثالیں Reproduction کے بارے میں لیتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے اِس موضوع پر اگر کوئی مطالعہ کا خواہش مند ہو، تو ایک فرانسیسی نومسلم کی نگارشات کا مطالعہ بہت سودمند ہوگا۔ اُس نے قرآن کے Physiological اور Biological مواد کو اکٹھا کیا ہے۔ وہ نومسلم ایک ڈاکٹر اور Medical Scientist ہے۔ میرا اشارہ مورس بکائی (Mourice Bucaille) (۱۹۲۰ء-۱۹۹۸ء) کی طرف ہے، جس کی کتاب The Bible, The Qur'an and Science کا ترجمہ ''بائبل' قرآن اور سائنس'' کے نام سے اُردو میں بھی ہو چکا ہے۔ اس موضوع پر ہارون یحییٰ (ولادت ترکی: ۱۹۵۶ء) بھی بہت خوبصورت انداز میں لکھ رہے ہیں۔ میں یہاں فرانسیسی مفکر اور مسلمان سائنس دان مورس بکائی کی، صرف ایک آیت سے متعلق تحقیق پیش کرتا ہوں:

قرآن نے سورۃ النحل میں کہا:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْم بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ. (۸)

''یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت (اور غور وفکر کا سامان) ہے۔ ہم ان کے پیٹوں میں موجود گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ چوپایوں اور جانوروں کے دودھ پیدا کرنے کے نظام میں تمھارے لیے بہت سا سرمایہ سبق اندوزی ہے۔ اگر تم غور کرو تو دیکھو؛ جو دودھ ہم تم کو

۸۔ القرآن، النحل ۱۶:۶۶۔

پلاتے ہیں، یہ ہم ان کے اس مواد سے، جو ان کی Intestine یعنی بڑی آنت کے اندر ہے، اور خون کے درمیان سے پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ دودھ تم کو بڑا بھاتا اور خوشذائقہ لگتا ہے۔ یہ فکر وفلسفہ یا قانونِ فطرت، آنحضورؐ سے پہلے کسی فکر وفلسفہ اور تہذیب میں پیش نہ کیا گیا تھا۔

مورس بکائی لکھتا ہے کہ الحمدللہ آج ہم چیزوں کے Chemical Reaction کو نوٹ کر سکتے ہیں، اِس لیے آج یہ آیت بہتر طور پر ہماری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ کھانا کھانے سے خوراک معدے میں جاتی ہے، وہاں سے بڑی آنت میں جاتی ہے، وہاں سے یہ مواد (Substance) Blood-stream کے ذریعے Mammary Glands تک پہنچتا ہے، تو دودھ میں بدل جاتا ہے۔ گویا قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ تم نے دیکھا کہ کس طرح ہم دودھ کو پیدا کرتے ہیں، اُس چیز سے، جو تمھاری بڑی آنت کے اندر ہے اور تمھارے خون سے۔ اِسی طرح کی کئی اور مثالیں Reproduction کے بارے میں ہیں؛ یوں قرآن اپنے پڑھنے والوں کو اس موضوع پر بھی حیرت انگیز مواد فراہم کرتا ہے۔ ایک نہیں، بلکہ بیسیوں آیات اور نشانیاں ہیں۔ Mathematics کے طالب علموں کو اپنے شعبے اور لغت دانوں کو اپنے شعبے میں بیسیوں آیات ملیں گی، جس سے اُن کو باور آئے گا کہ حضورؐ کے زمانے اور قرآنِ کریم کے نزول سے قبل یہ باتیں کسی نے نہیں کہیں اور اگر علمِ جدید اِس چیز کو ثابت کرتا ہے، تو یہ قرآنِ کریم کے مسلسل اعجاز ہی کا ایک روشن پہلو ہے۔

مَیں اکثر اپنے طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ اِن آیات سے مفروضہ (Hypothesis) قائم کر کے آگے بڑھیں۔ Hypothesis کیا ہوتا ہے؟ یہ تحقیق کی اصطلاح ہے؛ مثال کے طور پر کسی زمانے میں کسی شخص نے یہ مفروضہ وضع کیا کہ انسان بھی پرندوں کی طرح اڑ سکتا ہے۔ اُس نے بڑے بڑے پر بنائے، ہاتھوں کے ساتھ باندھ لیے، پہاڑ کے اوپر

toobaa-elibrary.blogspot.com

چڑھ کر چھلانگ لگادی، زور زور سے اپنے ہاتھوں کو ہلایا۔ اب انسان کی یہ بساط نہیں تھی کہ بہت زیادہ دیر تک بازوؤں کو ہلا سکتا۔ چنانچہ وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا۔ وہ پرندوں کی طرح پرواز کرنے میں بظاہر ناکام ہو گیا، لیکن یہ مفروضہ اپنی جگہ قائم رہا کہ انسان فضاؤں میں اڑ سکتا ہے۔ پھر انسان لگاتار کوشش کرتا رہا اور انجامِ کار اُس نے جہاز ایجاد کر لیا، جیٹ ایجاد کر لیا، پھر میزائل بن گئے اور مفروضے نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔ الغرض علم اُس وقت آگے بڑھے گا، جب کتاب اللہ سے مفروضے اخذ کیے جائیں گے۔

فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں سمندر میں داخل ہو گیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اپنے ساتھیوں کو لے کر سمندر سے پار نکل گئے اور فرعون اور اُس کا لشکر اس میں ڈوب گیا۔ تاہم مرنے سے پہلے فرعون کہنے لگا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (۹)

''میں ایمان لایا اس خدا پر جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

لیکن اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ اللہ بے شک بہت رحیم اور کریم ہے، بندے کو توبہ کرنے کا پورا موقع دیتا ہے، لیکن جب موت کا دروازہ کھل جائے، تو پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے؛ پھر اللہ تعالیٰ سرکش لوگوں کو پکڑ لیتا ہے اور اس کی پکڑ بڑی شدید ہوتی ہے، اور پھر وہ معاف نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس سے کہا: یہ توبہ تو ہماری بارگاہ میں قبول نہیں ہے، البتہ ہم یہ کریں گے کہ:

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً وَ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ

۹۔ القرآن، یونس ۱۰:۹۰۔

النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ. (۱۰)

''آج ہم تیرے بدن کو بچا لیں گے، تاکہ تو آنے والوں کے لیے عبرت (کا سامان) ہو۔ بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''

دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کیے رکھا کہ قرآن کی یہ آیت کہتی ہے کہ اے فرعون! ہم نے تمہارے جسم کو بچا لیا۔ بھلا کہاں ہے فرعون کی لاش؟ مسلمان تو گزشتہ آٹھ سو سال سے سوئے ہوئے ہیں، تحقیق سے انھیں کوئی رغبت نہیں۔ بس کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں اور فرقہ وارانہ تعصّب پھیلاتے ہیں؛ قرآنِ کریم اور اللہ کے نام پر تجارت کرتے ہیں۔ سو کسی مسلمان کو قرآن کے بیان کے ضمن میں فرعون کی لاش سے متعلق تحقیق کی توفیق نہ ہوئی، لیکن ایک غیر مسلم نے ۱۸۹۷ء میں فرعون کی لاش دریافت کر لی۔ وہ ایک تابوت (Coffin) میں تھی۔ فرعون کے تابوت کے اوپر لکھا ہوا تھا کہ یہ رعمسیس دوم ہے۔ یہی وہ فرعون تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں خلیج عقبہ میں ڈوب کر مرا، پھر جب اُس کے تابوت کو کھولا گیا تو اُس کے اندر اس کے ڈھلے ہوئے سکے تھے، اُن سکوں کے اوپر فرعون کا چہرا ڈھلا ہوا تھا۔ یہاں سے ایک اور اہم بات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ فراعنہ کے یہاں بھی حیات بعد الموت کا ایک تصور تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اس دنیا میں ہم بادشاہ ہیں، پھر اِس کے بعد ایک دوسری دنیا ہوگی، تو ہم کہیں اُس دُنیا میں قلاش اور مفلس قسم کے لوگوں کے طور پر نہ پیدا کیے جائیں؛ اِس لیے وہ اپنا سونا چاندی اپنے تابوت میں رکھ کر دفن ہوا کرتے تھے۔ رعمسیس دوم کی لاش جس تابوت میں تھی، اُس میں وہ سونے کے سکے تھے، جن کے اُوپر اُس کا چہرا تھا اور اس کے اوپر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ فرعون کی یہ لاش آج نیشنل میوزیم قاہرہ (مصر) میں موجود ہے۔

۱۰۔ القرآن، یونس ۱۰:۹۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ فرعون کی ممی کی ناک میں فنگس لگ گیا، مصریوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ بادشاہ سلامت بیمار ہو گئے ہیں، انھوں نے اِس کو فرانس روانہ کیا۔ حکومت فرانس نے فرعون کی لاش وصول کی، اکیس [۲۱] توپوں کی سلامی دی، ایک میڈکل کمیشن تشکیل دیا، خوش قسمتی سے اُس میڈیکل کمیشن کا چیئرمین ڈاکٹر مورس بکائی (Maurice Bucaille) تھا۔ جدید دور کے مسلم علما میں سے قرآن کے حیاتیاتی (Biological) اور نامیاتی (Physiological) علوم میں بکائی کی دسترس غیر معمولی تھی۔ بکائی کہتا ہے کہ مجھے ایک سعودی دوست نے کہا کہ فرعون کو کچھ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ قرآن نے کہہ رکھا ہے کہ: اے فرعون، ہم تیری لاش کو بچا رکھیں گے اور یہ انسانیت کے لیے سامانِ عبرت ہوگی۔ مورس بکائی کا بیان ہے کہ ہم نے اس کی لاش کا جائزہ لیا، اُس کی ناک میں بیکٹیریا یا کوئی چھوٹی موٹی بیماری تھی، سپرے کیا اور لاش واپس بھیج دی گئی۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مسلمان سائنس دانوں کی ایک جماعت اِس آیت کو سمجھتے ہوئے کھڑی ہوتی اور قرآن سے رہنمائی لیتے ہوئے وہ کام بہت پہلے کر دکھاتی، جس کا اعزاز صدیوں بعد ایک غیر مسلم کو ملا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ غیر مسلم قرآن کی حقانیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کن کن حیرت انگیز معلومات سے لبریز ہے۔ لیکن مسلمان ہیں کہ اسے صرف حصول برکت ہی کے ذریعہ کے طور پر لینے پر قانع ہوئے بیٹھے ہیں، اور ذریعہ علم کے طور پر لینے سے غافل ہیں۔

سورۃ الفاتحہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. (۱)

۱۱۔ القرآن، الفاتحہ ۱:۱۔

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو رب العالمین ہے۔''

مورس بکائی کہا کرتا تھا کہ قرآن کی یہ آیت مجھے رات بھر سونے نہیں دیتی۔ ہم نے مورس سے اس آیت پر بے قرار ہو جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ قرآن نے اس آیت میں رب العلمین کی اصطلاح استعمال کی ہے اور رب العلمین سے مراد ہے: جہانوں کا رب۔ رب العلمین جمع (Plural) کا صیغہ ہے۔ گویا قرآن دو نہیں متعدد جہانوں کا ذکر کر رہا ہے۔ اگر دو جہانوں، یعنی اس دنیا اور عالم آخرت کا ذکر مطلوب ہوتا تو آیت کے الفاظ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کی بجائے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمَيْنَ۔ ہوتے یعنی تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا جاتا اور رب العلمین میں میم کے اوپر زبر ہوتی۔ بکائی کا کہنا تھا کہ یہ آیت مجھے تحریک دیتی ہے کہ میں کسی اور سیارے کی جانب جاؤں؛ یہ آیت مجھے پیغام دیتی ہے کہ کہیں اَور بھی زندگی کے آثار ہیں۔ لیکن افسوس کہ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات ہم مسلمانوں کے سمندِ شوق کو مہمیز نہیں لگاتیں۔

ایک اور مثال دیکھیے: قرآن حکیم میں ہے:

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْم بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ. (۱۲)

''وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک طرح، پھر دوسری طرح تین اندھیروں میں تخلیق کرتا ہے۔''

ہمارے ایک دوست بیان کیا کرتے ہیں کہ میں گلاسگو یونیورسٹی میں بیٹھا تھا۔ میں نے اناٹومی کے ایک مشہور پروفیسر بینٹ (Benett) کو ٹیلی فون کیا کہ میرے سامنے ایک چودہ پندرہ سو سال پرانی کتاب ہے۔ یہ کتاب کہتی ہے کہ "We have created man under three darknesses"۔ یعنی ہم نے بچے کو

۱۲۔ القرآن ۳۹:۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

تین پردوں میں، تین تہوں میں، تین اندھیروں میں پیدا کیا ہے۔ "Do you confirm this information?" (کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو؟)۔

بینٹ کہنے لگا ٹھہرو! تم کہاں بیٹھے ہو۔ میں نے کہا: میں Islamic Studies ڈیپارٹمنٹ میں بیٹھا ہوں۔ اُس نے کہا میں ابھی آتا ہوں۔ پروفیسر بینٹ وہاں آیا، تب تلک ایک انگریز کا کیا ہوا ترجمہ اُس دوست نے نکال رکھا تھا۔ بینٹ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تین اندھیروں (Darknesses) میں پیدا کرتا ہے؟

پروفیسر صاحب کہنے لگے کہ اناٹومی کے ماہرین اُن کو Darknesses نہیں کہتے، بلکہ تین دیواریں (Three walls) کہتے ہیں۔ یہ دیواریں یا پردے اور اندھیرے کون کون سے ہیں: ایک شکم کی دیوار (Ectoderm) ہے، دوسری تحت شکم جھلی کی دیوار (Mesoderm) ہے اور تیسری رحم کی دیوار (Endoderm) ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کی ایک ہزار آیات، پوری کی پوری یا اُن کے کئی حصے ایسے ہیں، جو قوانین فطرت (Laws of Nature) سے تعلق رکھتی ہیں۔ بنابریں جو قوانین فطرت کو نہیں سمجھتا، وہ قرآن کی بہت سی آیات کی تفہیم سے قاصر رہتا ہے۔

جدید علمی و سائنسی تناظر میں قرآن کے ضمن میں یہ حقیقت پیش نگاہ رہنی چاہیے کہ قرآن کیمسٹری، فزکس، بیالوجی اور جغرافیے وغیرہ کی کتاب نہیں۔ اس کا نفسِ مضمون انسان ہے لیکن چونکہ انسان اس کائنات کا باسی ہے، لہٰذا انسان کو جن جن چیزوں سے واسطہ پڑتا ہے، قرآنِ کریم نے ہمارے سمجھانے کے لیے، اُن ساری چیزوں کو بیان کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی چھ ہزار دو سو سے زائد آیات میں سے کم و بیش ایک ہزار آیات ایسی ہیں، جن میں Natural Phenomena کو کسی نہ کسی طور پر موضوع بنایا گیا ہے۔ گویا اگر ہم میں سے کوئی قوانین فطرت کو نہیں جانتا، فزکس، کیمسٹری، زوالوجی، باٹنی یا عمرانیات اور سیاسیات

کے بنیادی اصولوں کو نہیں سمجھتا تو وہ کتاب اللہ کی ایک ہزار آیات کو ڈھنگ سے نہیں سمجھتا۔ Natural Phenomena کی صحیح سمجھ بوجھ آدمی کو کتاب اللہ کی بہتر تفہیم کے قابل بناتی ہے۔ الغرض سائنس دان، ماہر لغت، ماہر لسانیات، غرضیکہ کسی بھی میدان کا ماہر ہو، یہ کتاب اُس کے لیے سرچشمہ ہدایت بھی ہے اور سرچشمہ علم بھی۔ چنانچہ مسلمان اہل علم و تحقیق کو اس بات کو اپنے اوپر لازم قرار دے لینا چاہیے کہ قرآنِ کریم کو اپنے اپنے شعبۂ علم (Discipline of Knowledge) کے ماہر رہتے ہوئے ایک مرتبہ اِس انداز سے بھی پڑھیں۔ یہ کتاب اناٹومی میں بھی نئے حقائق سے آگاہ کرے گی، پولیٹیکل سائنس میں بھی نئی چیزیں بتائے گی۔ وعلیٰ ھذا القیاس مختلف علوم کے ماہرین اس میں اپنے اپنے شعبۂ علم سے متعلق اہم معلومات حاصل کریں گے۔ قرآن کی اسی وسعت و جامعیت اور گہرائی و گیرائی کو واضح کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ قرآن کی محیر العقول اور حیران کن باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی۔ اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہیے کہ جیسے جیسے انسان علم میں آگے بڑھتا جائے گا، قرآن کے متعدد مندرجات پہلے سے بہتر سمجھ آنے لگیں گے۔ آنجنابؐ کا فرمان یہ بھی ہے کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جو خود بھی قرآن پڑھتا ہے اور دوسروں کو بھی پڑھاتا ہے۔ (۱۳) آپ فرمایا کرتے: قرآن کو پڑھو اور اپنی زندگی میں اسی کو اپنا رہ نما بناؤ۔

آخر میں مختصراً یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اِس نعرے سے بھی گمراہی پھیلاتے ہیں کہ صرف قرآن رہبر ہو سکتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ قرآن رہبر کامل ہے، لیکن قرآن کی سب سے بہتر اور سب سے صحیح تفسیر کو نہیں بھولنا چاہیے، جو خود آں جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی، اور وہ حدیث ہے۔ حدیثِ مبارکہ کا جو ورثہ ہم تک پہنچا،

۱۳۔ الترمذی، الجامع الصحیح، ج ۵، باب ماجآء فی فضل القرآن، ص ۱۴۳۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

وہی قرآن کی معتبر ترین تفسیر ہے۔ حضورؐ نے بہت سے صحابہ کو اِس امر پر مامور کر رکھا تھا کہ جن کو قرآن سمجھ نہیں آتا، اُن کو سمجھائیں۔ صحابہ کو کسی بات کے بارے میں التباس ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی خود وضاحت فرما دیتے۔ (۱۴) الغرض تمام تفصیلات جو ہم تک پہنچی ہیں، مکمل طور پر محفوظ ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تعلیمی ادارے، خاص طور پر نظریاتی اور اسلامی ملکوں کے تعلیمی ادارے، اپنا فریضہ اُسی وقت صحیح طور پر ادا کر پائیں گے، جب وہ قرآنِ کریم کو ذریعۂ علم کے طور پر اختیار کریں گے۔ قرآن برکت کا ذریعہ (Source of Grace) تو ہے ہی، لیکن ہمیں چاہیے کہ اس کو ذریعۂ علم (Avenue of Knowledge) بھی بنائیں۔ ایسا کر کے ہم اس معجز کتاب کے بحرِ بیکراں سے چند در چند گوہر ہائے مراد ڈھونڈ کر لانے میں کامیاب ہوں گے۔

۱۴۔ الدارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الفضل بن بہرام، سنن الدارمی، باب فضائل القرآن، ص ۹۔ ابن حنبل، احمد، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۵۔ الترمذی، الجامع الصحیح، ثواب القرآن: ۱۳۔

باب ششم

قرآن کریم اور مستشرقین

مغرب کے ذرائع ابلاغ اور مستشرقین نے دو چیزوں کو خصوصیت کے ساتھ ہدفِ تنقید بنایا ہے۔ ایک آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، یعنی سیرتِ طیبہ اور دوسری قرآنِ کریم۔ مغرب کے لکھنے والوں نے سر توڑ کوشش کی ہے کہ قرآن کریم کو محرف یعنی تحریف شدہ ثابت کیا جائے تاکہ وہ دیگر مذہبی کتابوں مثلاً: وید، پُران، تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کی سطح پر آجائے اور مسلمان اس فخر و عظمت سے محروم ہو جائیں کہ ان کا قرآن دیگر تمام مذہبی کتب کے برعکس ہر قسم کی تحریف و تصحیف سے محفوظ ہے۔ اہل مغرب اور مستشرقین ایک خاص انداز میں اہل اسلام سے مخاطب ہوتے ہیں اور بادی النظر میں ان کا رویہ بہت معروضی (Objective) اور سائنٹفک نظر آتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے بعض جدید تعلیم یافتہ افراد ان سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا گہرائی میں جا کر ان کی نگارشات کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا رویہ نہ تو بالعموم معروضی ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اسلام کی صحیح اور غیر جانبدارانہ تعبیر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ زیرِ نظر سطور میں مستشرقین کی قرآن سے متعلق اسی طرح کی تعبیرات اور اس حوالے سے ان کے بعض نمایاں الزامات و اعتراضات کا مختصر جائزہ مطلوب ہے۔

قرآن کے ضمن میں مستشرقین کا پہلا ہدفِ تنقید حروفِ مقطعات ہیں۔ قرآنِ کریم کی چودہ سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ انگریزی میں انھیں Broken Words بھی کہا جاتا ہے مثلاً: الم۔ الر۔ حمٓ عسق۔ وغیرہ۔ مغرب کے اہلِ قلم بالعموم

toobaa-elibrary.blogspot.com

ان حروفِ مقطعات کو Mysterious Letters یا مشکوک کہتے ہیں، اُن کا ایک موقف یہ ہے کہ گویا دھوکہ دینے کے لیے یہ کوئی خفیہ کوڈز ہیں، جن کو قرآن نے اختیار کیا ہے۔(۱) حروفِ مقطعات کو Mysterious کہنا ہی اس حقیقت کا غماز ہے کہ اس کے پیچھے مغرب کی کس قسم کی ذہنیت کارفرما ہے اور مستشرقین قرآنِ کریم کو کیسی کتاب ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

واضح رہے کہ قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا؛ عربوں کے لہجے میں نازل ہوا اور اس کے اوّلین مخاطب عرب ہی تھے۔ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم عربوں کی وہ ساری عادات بحال رکھیں، جن سے شرک کی بُو نہیں آتی تھی اور جو آپؐ کے پیغام سے متصادم نہ تھیں۔ عربوں کے دوسروں سے مخاطب ہونے کا ایک اہم انداز یہ تھا کہ جب کوئی عرب کسی بڑے مجمع کے سامنے کوئی بات کہنا چاہتا، تو وہ چند حروفِ تہجی اُونچی آواز میں بیان کرتا۔ مثال کے طور پر الف۔ ب۔ ج۔ فرض کریں کہ میں آج سے ۱۵۰۰ سال پہلے کے عربی ماحول میں ہوں اور ایک بڑے بھرے بازار میں لوگوں سے کوئی بات کہنا چاہتا ہوں تو میں ان کو کس طرح اپنی جانب متوجہ کروں گا؟ آج انگریزی میں آدمی اس مقصد کے لیے کہتا ہے: Can I have your attention please!, Listen to

---

۱۔ مثال کے طور پر مشہور مستشرق نولڈیکے (Noldeke)، بل (Buhl) اور ھرشفیلڈ (Hirschfeld) وغیرہ نے ان حروف کے بارے میں مضحکہ خیز ہرزہ سرائیاں کی ہیں۔ مثلاً ھرشفیلڈ نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں، وہ ان صحابہؓ کے ناموں کے ابتدائی یا آخری حروف ہیں، جن کے پاس خاص خاص قرآنی سورتوں کے نسخے تھے، چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے نام سے ''سین''، مغیرہ سے ''میم''، عثمان سے ''نون'' اور ابوھریرہ سے ''ھا'' لی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: Hirschfeld, New Researches into the composition and exigises of the Quran

me please! وغیرہ۔ اُس وقت عربوں کا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرنے کا انداز یہ تھا کہ وہ کہتے: حمعص، الر، الم وغیرہ۔ اس طرح سب لوگوں کو اندازہ ہو جاتا کہ یہ شخص جو Broken Words بول رہا ہے، ہم سے مخاطِب ہونا چاہتا ہے۔ عربوں کے اس اندازِ گفتار کو اللہ نے قرآنِ کریم میں باقی رکھا۔ چودہ [۱۴] سورتوں کا آغاز انہی حروفِ مقطعات (Broken Letters) سے ہوا ہے۔ یہ Mysterious Letters ہرگز نہیں ہیں۔ اس حقیقت سے عرب آشنا تھے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؐ کے مخالفین آپؐ پر اور قرآن کریم پر ہر طرح کے اعتراضات کیا کرتے، لیکن یہ اعتراض کبھی کسی نے نہیں کیا کہ سورتوں کے شروع میں یہ Broken Letters کیوں لائے گئے ہیں؛ اس لیے کہ یہ ان کے معاشرتی مزاج کا حصہ تھے۔(۲) واضح رہے کہ قرآن کریم میں زمانہ قبل از اسلام

۲۔ حروف مقطعات سے متعلق اہل علم نے مختلف و متنوع آرا کا اظہار کیا ہے۔ سیّد قطب نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں حروف مقطعات استعمال کر کے مضمر طور پر قرآن کے اسی چیلنج کا اعادہ کیا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو انہی حروف تہجی سے ترتیب دیا ہے، جو تمہارے زیر استعمال ہیں۔ اگر تم اسے منزّل من اللہ نہیں مانتے تو ان کو استعمال کرتے ہوئے تم اس جیسی کوئی تین آیات ہی بنا کر دکھا دو۔ (سید قطب، فی ظلال القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۷۱ء، ج۱، ص۳۸۔)

حروف مقطعات سے متعلق اہل علم و تحقیق کے افکار سے آگہی کے لیے مزید دیکھیے: محمد عرفۃ، نقض مطاعن القرآن، تحقیق: محمد رشید رضا، مصر، دارالمنار، ۱۳۵۱ھ ص۷۹-۸۱۔ طبری، ابن جریر (متوفّٰی ۳۱۰ھ)، جامع البیان عن تفسیر آی القرآن، ج۱۱، ص۷۵۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ج۲، ص۱۳۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، ج۱، ص۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے حروف مقطعات کے استعمال کو ہی باقی نہیں رکھا گیا بلکہ اس زمانے کی دیگر کئی چیزیں، جو اسلامی تعلیمات سے متصادم نہیں تھیں، بھی باقی رہنے دی گئیں اور بعض کو تو خود حضورؐ نے اپنی حیات طیبہ میں اپنا مستقل معمول بنائے رکھا۔ مثال کے طور پر ایک جاہلی خطیب قس بن ساعدہ الایادی اپنے خطاب میں تمہیدی کلمات کہنے کے بعد اصل موضوع پر آنے سے قبل اَمّا بعد! کہا کرتا تھا، اور خطبہ دیتے ہوئے اپنے ہاتھ میں عصا رکھتا تھا۔ آپؐ نے زمانۂ قبل از اسلام کے یہ دونوں انداز اپنی حیات مبارکہ میں اختیار کیے رکھے۔ (۳)

ایک دوسرا موضوع، جو مستشرقین اور قرآنِ کریم کے دشمنوں نے بار بار بیان کیا، وہ اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ کتاب اللہ میں جا بجا زبان کی غلطیاں ہیں: Orthographic یعنی نسخ و کتابت کی غلطیاں ہیں۔ مثال کے طور پر قرآنِ کریم میں ''آل یاسین'' اور ''یا ابن ام'' کو ''الیاسین'' اور ''یبنئوم'' کی صورت میں اکٹھا لکھ دیا گیا ہے۔ (۴) علاوہ ازیں نسخ قرآنی پر یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ قاعدہ تو یہ ہے کہ جہاں بھی جمع کا واؤ ہوتا ہے، اُس کے بعد ہمیشہ الف ہوتا ہے، مثلاً: قالوا مگر مصحفِ عثمانی میں چھ سات جگہوں پر جمع

۳۔ جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، بیروت، دارالھلال، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۴-۱۵۵۔

۴۔ القرآن، الصّفت ۳۷:۱۳۰، طٰہٰ ۲۰:۹۴۔ اس طرح کے کلمات جن میں حروف کو ملا کر لکھا گیا ہے، اگرچہ وہ علیحدہ بھی لکھے جا سکتے ہیں، ان کو علامہ دانی نے ذکر کیا ہے، یہ مقامات وصل اصولاً تینتیس (۳۳) ہیں۔ دیکھیے: الدانی، ابوعمرو عثمان بن سعید، المقنع فی رسم مصاحف الامصار، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی، قاہرہ، مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، ب۔ت، ص ۸۷۔

کے واؤ کے بعد الف نہیں ہے۔ (۵) یہ درحقیقت قرآنی تفرّدات (Peculiarities) ہیں۔ امام دانی (متوفّٰی ۴۴۴ھ) سمیت تمام محقق و معتبر مفسرین قرآن نے واضح کیا ہے کہ مصحفِ عثمانی میں کتابت کے جتنے انداز اختیار کیے گئے، وہ مختلف قبائل کے فصیح انداز تھے اور جو Peculiarities آج کے نسخ سے سو فی صد مطابقت نہیں رکھتیں، اُن کو قرآن کی حفاظت کرنے والوں نے آج تک اُسی طرح باقی رکھا ہے۔ مثلاً آج مجھے ''یا ابن ام'' اے میرے ماں جائے! اے میری ماں کے بیٹے! لکھنا ہو تو میں ٹائپ کرتے ہوئے یا کو الگ لکھوں گا، ''ابن'' کو الگ لکھوں گا اور ''اُمّ'' کو الگ؛ لیکن جب ہم قرآنِ کریم کی آیات لکھ رہے ہوں گے تو ہم اُسی طرح لکھیں گے، جس طرح مصحفِ عثمانی میں ہے۔ بات در اصل یہ ہے کہ اِس کتاب کے شیدائیوں نے ان تفردات (Peculiarities) کو چودہ سو سال سے اُسی طرح محفوظ رکھا ہے؛ جس طرح یہ مصحفِ عثمانی میں لکھے گئے تھے کہ مبادا کوئی آدمی نسخ کی اصلاح کے بہانے کتاب اللہ میں تحریف کا دروازہ کھول دے۔ آج جو قرآنِ کریم ہمارے پاس موجود ہے، بالکل اُسی طرح لکھا ہوا ہے، جس طرح حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو لکھوایا تھا۔

میرے بہت سے مسیحی دوست میری اس بات پر ناراض ہو جاتے ہیں کہ انجیل مقدس میں تحریف ہوئی ہے، حالاں کہ کسی بھی مسیحی کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آج انجیلِ مقدس اُسی طرح موجود ہے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے لوگوں کے سامنے بیان کیا تھا۔ گزشتہ اوراق میں Ma^{c} Millan Publishers کی انجیل کا حوالہ دیا گیا تھا۔ یہ انجیل ۱۹۹۳ء میں Jesus Seminar کے سو عیسائی علما نے تیار کی۔ یہ سو عیسائی علماء کہتے ہیں کہ:

۵۔ ملاحظہ ہو: الدانی ابوعمرو عثمان بن سعید، المقنع فی رسم مصاحف الامصار، ص ۳۴۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

"...what has been ascribed to Holy Christ [in the Bibles], eighty percent of it cannot be ascribed to him."(6)

''انجیل مقدس میں جناب مسیح علیہ السلام سے جو کچھ منسوب کیا گیا ہے، اُس میں سے ۸۰ فی صد ایسا ہے، جسے اُن کی جانب منسوب نہیں کیا جاسکتا۔''

یہ کسی مسلمان کا بیان نہیں ہے، سونمایاں مسیحی علما کا بیان ہے، جن میں سے بہت سے ابھی بقید حیات ہیں۔ پہلی چاروں اناجیل (یوحنا، متی، لوقا اور مرقس) اور تھامس کی بائبل پر مشتمل Five Gospels کے نام سے چھپنے والی مذکورہ بائبل میں یہ حقیقت تفصیلاً ملاحظہ کی جاسکتی ہے کہ موجودہ انجیل مقدس میں بیان کردہ تعلیمات وہ نہیں، جو جناب مسیح علیہ السلام نے لوگوں کے سامنے پیش فرمائی تھیں۔

Five Gospels کے مرتبین کی رائے یہ بھی ہے کہ ان اناجیل کو آغاز میں کوئی نام بھی نہیں دیے گئے تھے، اور ایک عرصہ بعد ان کی Authenticity اور حیثیت کو مسلّم ثابت کرنے کے لیے Pious wishes اور بہت ہی پاکیزہ جذبات کے ساتھ ان کو فرضی نام دے کر لوگوں میں معتبر بنانے کی کوشش کی گئی۔ (۷)

---

6. Funk Hoover and Jesus Seminar, The Five Gospels, MacMillan Publishing House, N.Y.1993, p.20.

7. Ibid

مستشرقین نے کتاب اللہ کے بارے میں جو اعتراضات کیے، اُنھیں نہایت منظّم اور مربوط (Co-ordinated) منصوبے کے تحت آگے بڑھایا؛ وہ جانتے تھے کہ جب تک قرآنِ کریم عربوں میں موجود ہے، مسلمانوں کا قبلہ ایک ہی رہے گا، اور یہ چیز انہیں کسی طور منظور نہیں۔ لہٰذا مصر میں بہت سارے مستشرقین آ کر بیٹھ گئے' مثلاً کوئی تین دہائیاں آرتھر جیفری مصر میں بیٹھا رہا، ۲۰ سال کے قریب یونیورسٹی آف لندن کے بہت بڑے ادارے School of Oriental & African Studies کا بہت بڑا پروفیسر John Haywood (مشہور کتاب Arabic Lexicography کا مصنّف) یمن میں آ کر بیٹھا رہا اور یمن کے لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کرتا رہا کہ تمہاری زبان یہ ہے۔ کئی مستشرقین آ کر سعودی عرب میں بیٹھ گئے، کئی تیونس میں آ بیٹھے اور تیونسیوں کو ابھارنے لگے کہ تمہاری زبان کے امتیازات یہ یہ ہیں، ان مستشرقین کی کوشش یہ رہی کہ عالم عرب کے مختلف علاقائی لہجات کو مستقل زبانوں کی صورت دے دی جائے لیکن چونکہ عربوں کے پاس قرآن موجود ہے اور ۲۲ چھوٹی بڑی عرب ریاستوں کی ایک ہی دفتری زبان ہے اور وہ عربی ہے اور وہ عربی زبان قرآن کریم کے جلو میں چلتی ہے، سو قرآن کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہ ہوسکی۔ عربی زبان کے جتنے قواعد و اسالیب ہیں، کتاب اللہ ہی سے مستعار لیے گئے ہیں۔

مذکورہ قسم کے موضوعات ومباحث کا سلسلہ فی الحقیقت ایک جرمن یہودی مستشرق گولڈ زیہر نے شروع کیا تھا۔ یہ شخص ۱۹۲۱ء میں پہلی جنگ عظیم کے فوراً بعد مرا۔ اس کے دور میں ریڈیو کی سہولت میسر آ چکی تھی اور خبریں دُور دُور تک پہنچنے لگی تھیں۔ تاہم اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ میں جو کچھ مسلمانوں کے خلاف لکھتا رہا ہوں، وہ اب مسلمانوں سے تادیر مخفی نہیں رہ سکتا، لہٰذا مسلمان اب اس کی تردید بھی کریں گے اور ردِّ عمل میں بھی کچھ پیش کریں گے۔ برنارڈ لیویس نے گولڈ زیہر کی کتاب

toobaa-elibrary.blogspot.com

Introduction to Islamic — Theology and Law کے انگریزی ترجمہ کے مقدمہ میں واضح کیا ہے کہ گولڈزیہر اور اس کے ہم عصر مصنفین کو اس بات کا خیال ہی نہیں تھا کہ ان کی کتابوں کے قارئین مسلمان بھی ہوں گے۔(۸)

آج وقت، ذرائع ابلاغ اور اطلاعات ونشریات کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ قرآنِ کریم کے بارے میں کہی گئی کوئی بھی بے سروپا بات، فوراً ہم تک پہنچ جاتی ہے۔ اِس سلسلے میں بحمداللہ عرب لیگ نے ایک بہت اچھا کام کیا، مراکش کے دارالحکومت رباط میں جامعة الدول العربیه (عرب لیگ) نے اکیڈیمک ونگ قائم کیا۔ (یہاں جامعہ سے مراد یونیورسٹی نہیں)، جس کے ذریعہ مسلم اہل علم وتحقیق نے مستشرقین کے بخیے اُدھیر دیے؛ جہاں جہاں اُنھوں نے قرآن پر اعتراضات کیے تھے، مسلم علما کھڑے ہوئے اور اُن کا مدلل و مسکت جواب دیا۔ اس کا حیران کن نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اِس ردّعمل کے پیشِ نظر ۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء تک مسیحیوں کے عالمی مذہبی مرکز ویٹی کن انٹرنیشنل نے کانفرنسز منعقد کیں اور طے کیا کہ آئندہ ہم لوگ قرآن کے بارے میں بے سروپا اور منفی بات نہیں کریں گے، بلکہ صرف مثبت بات کریں گے۔ اس چیز کو علم وتحقیق کی زبان میں Shift of paradigm کہتے ہیں۔

تیسرا موضوع؛ جو خاص طور پر مستشرقین نے اختیار کیا، وہ قرآنِ کریم کی آیات کی ترتیب سے متعلق ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن کو جمع کرتے ہوئے کسی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا

۸۔ سعید احمد اکبرآبادی، پروفیسر اجناس گولڈزیہر، اسلام اور مستشرقین، اعظم گڑھ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، ۲۰۰۴ء، ج۱، ص۴۴۔

گیا۔(۹) حالانکہ یہ دعوی حقائق کے یکسر خلاف ہے۔ آیات اور سورتوں کو خود آنحضورؐ کی رہنمائی میں ترتیب دیا گیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو ہر ہر آیت کے صحیح صحیح محل سے آگاہ فرمایا۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی، آپؐ صحابہؓ سے فرماتے کہ یہ آیت، فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد لکھو۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں روایت ہے:

كان النبى صلى الله عليه وسلم مما تنزل عليه الآيات فيدعو من يكتب له وتقول له :ضع هذه الآية فى السورة التى يذكر فيها كذا و كذا. (۱۰)

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی آیات اترتیں، آپ کاتبین کو بلاتے اور کہتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ پر رکھو۔''

مستشرقین نے قرآنِ کریم کی آیات کو از سرِ نو ترتیب دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حضورؐ اپنی سیاسی ضرورتوں کے تحت وحی کو کاسٹ (Cast) کیا کرتے، یعنی ضرورت کے مطابق وحی کو ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا کرتے۔ اس سے مستشرقین کا مدعا یہ تھا کہ کتاب اللہ کو انسانی ضرورت کے پیشِ نظر تیار کیا جانے والا کلام ثابت کیا جائے۔ جب یہ انسانی کلام ثابت ہو جائے گا تو لامحالہ اس میں الوہیت کا عنصر ختم ہو کر رہ جائے گا۔

---

9. Please see for detail: Rodwell, J. M, The Koran, London, Dent, 1909, p.7. Tritton, A. S, Islam: Belief and Practice,London, Hutchinson, 1962, p.15.

۱۰۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ب۔ت، ج۱، ص۱۲۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب من جھر بھا۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

اِس ضمن میں سب سے خطرناک رائے آرتھر جیفری نے پیش کی۔(۱۱) ابن ندیم (متوفی:۳۸۴ھ)، ایک بہت بڑے Bibliographer تھے اور عربی کتابیات کے ایک بہت بڑے ماہر۔ اُنھوں نے علوم اسلامیہ پر اپنے عہد تک بڑی بڑی کتابوں کا اشاریہ (Index) تیار کیا؛ جس میں قرآنِ کریم کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ ابن ندیم نے واضح کیا کہ اُن کے پاس قرآنِ حکیم کا عبداللہ بن مسعودؓ والا ذاتی نسخہ موجود ہے؛ لیکن اس نسخے سے پہلا اور آخری صفحہ گرا ہوا ہے، یعنی نہ اُس میں سورہ فاتحہ موجود ہے اور نہ ہی معوّذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) ہیں۔ آرتھری جیفری نے یہ بات اُچک لی اور اسے بنیاد بنا کر یہ دعویٰ قائم کر دیا کہ قرآنِ کریم کی ایک سو چودہ [۱۱۴] نہیں، بلکہ ایک سو گیارہ [۱۱۱] سورتیں ہیں؛ پھر وہ سورۃ فاتحہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ This is cento of the Quran یعنی یہ قرآن کا مغز ہے، لیکن یہ آں جنابؐ پر کبھی نازل نہیں ہوئی بلکہ آپؐ نے قرآنی تعلیمات کا نچوڑ اپنے انداز میں بیان کر دیا۔ آرتھر جیفری کے الفاظ ہیں:

" Here we find missing the expected [suras] 1,113, 114" (12)

یہ بات تاریخی اعتبار سے کلیتاً غلط ہے؛ سورۃ فاتحہ، مکی زندگی ہی میں نازل ہوگئی تھی اور مسلمانوں نے جب سے نماز ادا کرنا شروع کی تھی، حضورؐ نے فرما رکھا تھا کہ نماز اُس وقت

۱۱۔ دیکھیے: ابن ابی ابوداؤد، مقدمہ کتاب المصاحف، تحقیق: آرتھر جیفری، مصر، المطبعۃ الرحمانیۃ، ۱۹۳۶ء، ص۹۔

12. Jeffery, Arthur,The Materials for the History of the Text of the Quran, p.23.

تک نہیں ہوتی جب تک ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ لی جائے۔ مستشرقین کے قرآن کے خلاف تعصّب کا اندازہ کیجیے کہ صرف اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ پونے چار سو سال پرانے ایک نسخے میں پہلا اور آخری صفحہ گرا ہوا تھا، مستشرق مذکور نے دعویٰ کر دیا کہ کتاب اللہ میں ایک سو چودہ [۱۱۴] نہیں، ایک سو گیارہ [۱۱۱] سورتیں ہیں۔(۱۳)

مشہور مستشرق الفونس منگانا (Alphonse Mingana) ہے، نے ایک کتاب شائع کی جس کا عنوان ہے:

"Leaves from three Ancient Qurans-Possibly Pre-Uthmanic"(14)

یعنی قرآنِ کریم کے تین نسخوں کے ایسے صفحات، جو ممکن ہے، حضرت عثمانؓ سے پہلے کے زمانے کے ہوں۔ ذرا غور فرمایئے کہ معروضی علم و تحقیق کے بلند و بانگ دعوے کرنے والے مغربی اہل قلم اسلام سے متعلق کس قسم کی اور کس انداز کی تحقیق کرتے ہیں؟ تحقیق میں کوئی بات ظن و تخمین سے نہیں کہی جاتی۔ یہ تحقیق کا وہ اصول (Methodology of research) ہے، جو اہل مغرب عمرانی علوم میں خود استعمال کرتے ہیں۔ لیکن جب

۱۳۔ مسلم اہل علم و تحقیق کی بہت سی تفصیلی ابحاث جیفری کے اس دعوی کا واضح بطلان کرتی ہیں، مثال کے طور پر دیکھیے: النووی، شرح المھذّب، جدہ، ب۔ت، مکتبۃ الارث، ج۳، ص۳۶۲۔ ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن، تحقیق: سعید احمد صقر، القاہرہ، دارالتراث، ۱۳۹۳ھ، ص۴۹۔

14. Please see: Mingana, Alphonse, "Leaves from Three Ancient Qurans-Possibly Pre-Uthmanic", Cambridge, 1914.

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآنِ کریم کے بارے میں لکھنے بیٹھتے ہیں، تو Possibly Pre-Uthmanic جیسے الفاظ استعمال کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ پھر منگانا جن اوراق کا ذکر کر رہا ہے، ان میں کتابت کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، ماسوائے یہ کہ لکھنے والا کہیں کوئی حرف مثلاً الف لکھنا بھول گیا۔ اور اس کی حقیقت فقط اتنی ہے کہ بہت سے عرب، تحریر میں الف کو ''ی'' یا ''و'' کے ساتھ تبدیل کر دیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر؛ آنحضورؐ کے زمانے میں ایک صحابی: ایاک نعبد و ایاک نستعین پڑھتا ہے اور دوسرا: ویاک نعبد و و یاک نستعین۔ ایک اور صحابی: هیاک نعبد وهیاک نستعین۔ پڑھتا ہے گویا ''الف''، ''و'' اور ''ھ'' مختلف قبائل میں Inter-changeable ہیں۔ یہ بالکل اِسی طرح ہے کہ ایک سندھی جب اردو بولتا ہے تو ''یہاں'' کو ''ہیاں'' اور ''وہاں'' کو ''ہواں'' کہتا ہے؛ یہ Vocal cords کا مسئلہ ہے۔ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف لہجوں کے حامل صحابہؓ کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے اپنے لہجے میں قرآن پڑھ لیا کریں۔ حضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے دوران اور شیخین کے زمانے میں تقریباً پینتیس [۳۵] سال مسلمانوں نے اِس اجازت سے فائدہ اٹھایا۔ حضرت عثمانؓ، جو رمز شناسِ نبوت تھے، نے جب یہ دیکھا کہ اب اس رعایت کو جاری رکھنا اہل اسلام میں تشتت وانتشار کا باعث بنے گا، تو انہوں نے سرکاری حکم کے ذریعہ یہ سہولت منسوخ (Withdraw) کر دی اور سارے مسلمانوں کو پابند کیا کہ آج کے بعد صرف اُسی طرح قرآن پڑھا جائے، جس طرح نبی کریمؐ مدینہ منورہ میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے اس کارنامے ہی کے سبب اُمت نے آپ کو جامع القرآن کا نام دیا کہ آپ نے پوری اُمت کو قرآن کی ایک قرأت اور نسخ پر جمع کیا۔ جب خلیفہ سوم نے ایک ہی لہجے میں قرآن لکھوا کر مختلف اسلامی مراکز کو بھجوایا اور باقی نسخے تلف کروا دیے، تو بہت سارے لوگوں نے سیّدنا علیؓ سے کہا کہ خلیفہ وقت نے بہت سے قرآنی نسخے تلف کروا دیے ہیں، یا جلا دیے ہیں، یا دفن کروا دیے ہیں۔ تو سیّدنا علی کرم اللہ وجھہ نے

جواب دیا:

لَوْوُلِّیْتُ لَفَعَلْتُ فِی الْمَصَاحِفِ الذِی فَعَلَ عُثْمَانُ. (۱۵)

''اگر میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی مصاحف کے معاملہ میں اسی طرح کرتا، جس طرح حضرت عثمان نے کیا''

چنانچہ حضرت عثمان کے حکم سے حضورؐ کے لہجے پر مبنی قرآن کے نسخوں کو اطراف ممالک میں پھیلایا گیا اور علاقائی لہجوں کے حامل مصاحف کو تلف کروا دیا گیا۔ اس سلسلہ میں ۱۲۰۰۰ صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کی معاونت کی۔ (۱۶) حضرت عثمانؓ کے کام کے حوالے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ قرآنِ کریم کو پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ نے جمع کیا۔ کیونکہ مطلق جمع قرانی کا کام تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی نے کر دیا تھا۔ اور آنحضورؐ کے وصال کے وقت بھی قرآنِ کریم پورے کا پورا تحریری صورت میں لوگوں کے پاس موجود تھا، البتہ اِسے مدینہ کے لہجے میں حضرت عثمانؓ نے لکھوایا۔

یہاں میں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن کو بالکلیہ قریشی لہجے پر نہیں لکھوایا تھا، جیسا کہ عام طور پر اسلامیات کے طلبہ سمجھتے ہیں، بلکہ اس لہجے میں لکھوایا جو مدینہ میں آنحضورؐ کا لہجہ تھا۔ بنابریں یہ کہنا تو صحیح نہیں ہوگا کہ موجودہ قرآنِ کریم سو فیصد قریشی لہجے میں ہے، تاہم اس اعتبار سے اسے قریشی لہجہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اغلب حصہ قریشی ہے۔

۱۵۔ ابو عبید القاسم بن سلام، فضائل القرآن، بیروت، دارلکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۷

۱۶۔ القیسی، ابو مکی بن ابی طالب، کتاب الابانۃ عن معانی القراء آت، دمشق، دارالمامون للتراث، ص ۵۲۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

علاوہ ازیں معاصر اور قدیم مستشرقین کی طرف سے آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سب سے بڑا الزام لگایا گیا، وہ یہ ہے کہ آپ نے کچھ باتیں مسیحیوں سے لیں، کچھ یہودیوں سے اخذ کیں اور کچھ Folklore یعنی مقامی کہانیاں اور قصّے ہیں، جو آپؐ نے اکٹھے کر کے قرآن میں درج کر دیے ہیں۔ مثلاً منٹگمری واٹ قرآنی آیات کے بائبل سے مستعار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"The earliest passages of the Quran show that it stands with the tradition of Judaeo-Christian monotheism with its conceptions of God, the Creator, of resurrection and judgment and of revelation. In late passages the dependence on the Biblical tradition becomes even more marked, for they contain much material from the old and new testament".(17)

''قرآن کی اولین عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کی وحدانیت، بعث بعد الموت، اور حشر ونشر کے تصورات کے اعتبار سے اسلام یہودی اور مسیحی نظام توحید کے مطابق ہے۔ بعد کی آیات میں قرآن کا بائبل کی روایات پر انحصار اور زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے، اس لیے کہ ان آیات میں عہد نامہ قدیم اور جدید کا بہت سا مواد ملتا ہے۔'' جارج سیل کہتا ہے:

---

17. Watt, W. Montgomery, Muhammad: Prophet and Statesman, Oxford University Press,1961, p.39.

"...several of which stories or some of circumstances of them are taken from the old and new testament, but many more from the apocryphal books and traditions of the Jews and Cristians of those ages, set up in the Koran as truths in opposition to the Scriptures,...(18)

''(قرآن) کے کئی ایک قصے یا ان کے کچھ حالات عہد نامہ قدیم وجدید سے اخذ کے گئے ہیں۔ بلکہ بیشتر قصے تو ان غیر مستند اناجیل سے ماخوذ ہیں، جو اس عہد کے یہود و نصاریٰ میں مروج تھے۔ ان قصوں کو کتب مقدسہ کے بیانات کے برعکس قرآن میں حقائق کی صورت میں بیان کر دیا گیا ہے۔''

یہ بالکل وہی باتیں ہیں جو مشرکین مکہ اور قرآن کے مخاطبین اول و دیگر مخالفین کہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے اس اعتراض کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا. (۱۹)

''اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں، جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے، اور وہ اس کو صبح وشام پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔''

لیکن قرآن کے یہ معترضین اگر تعصب کی عینک اتار کر دیکھیں تو انہیں معلوم ہو کہ

18.George Sale, The Quran, New york, 1890, p.48.

۱۹۔ القرآن، الفرقان ۲۵:۵۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

قرآن نہ بہت سی دیگر کتب کی طرح بے سروپا قصّے کہانیوں پر مشتمل ہے اور نہ ہی اس کا Source انجیلِ مقدس ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بائبل وغیرہ کی بہت سی غلط باتیں، جن کو خود مغربی اہلِ قلم تسلیم کرتے ہیں، بھی قرآن میں شامل ہوتیں، لیکن ہر محقق دیکھ سکتا ہے کہ قرآن میں ایسی کوئی بات نہیں جسے کسی بھی شعبہ علم میں کی جانے والی غیر جانبدارانہ تحقیق رد کر سکے۔ مثلاً بائبل کے مطابق طوفانِ نوح ایک Universal flood یعنی پوری کائنات کو محیط طوفان تھا، جبکہ قرآنِ کریم نے کہیں اشارۃً بھی طوفان نوح کو Universal flood نہیں کہا۔ اس ضمن میں قرآن کا بیان ملاحظہ ہو:

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ. (۲۰)

''اور طوفان نے ان (قومِ نوح کے افراد) کو آلیا اور وہ ظالم لوگ تھے۔''

آج Geology کے تمام ماہرین، جغرافیہ دان اور ماہرین ارضیات، بائبل کی اِس بات کو غلط قرار دیتے ہیں کہ پورے کا پورا کرہ ارض پانی میں ڈوبا رہا ہے۔ اور اس ضمن میں قرآن کا بیان بہت واضح ہے کہ اس طوفان نے قومِ نوح کو آلیا۔ (۲۱) آج کا علم بائبل کے پیش کردہ اس تصور سے بھی اتفاق نہیں کرتا کہ ہر انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور اُس وقت تک گنہگار رہتا ہے جب تک بپتسمہ کے ذریعہ پاک نہیں ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں اسلام کا

۲۰۔ القرآن، العنکبوت ۲۹:۱۴۔

۲۱۔ جدید علم و سائنس کے تناظر میں دیگر صحف سماویہ کے مقابلہ میں قرآن کی ناقابل تردید حقانیت کے چشم کشا تفصیلی دلائل کے لیے دیکھیے:

Mauric Bucaille,The Bible, the Quran and Science, translated fromthe French by Alastair D.Pannell and the Author.N.D.

پیش کردہ تصور عین عقل و منطق کے مطابق اور ایک سلیم الفطرت انسان کے دل کی آواز ہے۔ حضور کا فرمان ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلٰى فِطْرَةِ فَأبواه يُهَوِّدانِهِ أَوْ يُنَصِّرانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ۔ (۲۲)

''ہر بچہ فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتا ہے، یہ اس کے والدین (یا گردوپیش اور ماحول) ہیں جو اس کو یہودی، مسیحی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں۔''

انجیل مقدس عورت کو گناہ کا سبب قرار دیتی ہے۔ یہ بات چاہے جتنی بھی حیران کن ہو، ایک حقیقتِ واقعہ ہے کہ مغرب میں دو سو سال تک لوگ اس بات پر بحث کرتے رہے کہ عورت میں روح ہوتی ہے یا نہیں؟ پھر اُنھوں نے طے کیا کہ روح تو ہوتی ہے، لیکن کم تر درجے کی۔ یہ خبطِ مردانگی (Male chauvinism) کی انتہائی ننگِ انسانیت شکل تھی۔ بعد میں جب اس قبیح رویہ کے خلاف ردعمل ہوا تو عورت نے ایسی بغاوت کی کہ وہ دوسری انتہا پر پہنچ گئی، اور مادر پدر آزادی کا پرچم بلند کر دیا۔ یہ صورت فی الواقع عورت پر بے جا پابندیوں کا ردعمل تھی، اور اس کے نتیجے میں مغرب کا نظامِ حیات ہل کر رہ گیا۔ اسلام دینِ فطرت ہے، اس مین ہر چیز اپنے اپنے مقام پر متوازن حالت میں رکھی گئی ہے۔ اسلام نے حقوق کے اعتبار سے اور بحیثیت انسان مرد اور عورت کو برابری کی سطح پر رکھا۔ اور دونوں کی تکریم کا واضح لفظوں میں اعلان کیا:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا. (۲۳)

۲۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق: محمد زہیر بن ناصر الناصر، مصر، دار طوق النجاۃ، ب۔ت، ج ۲، ص ۱۰۰۔

۲۳۔ القرآن، بنی اسرائیل ۱۷:۷۰۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت و کرامت عطا کی اور انہیں بحر و بر میں سواریاں عنایت کیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔''

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ. (۲۴)

''بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔''

مستشرقین لگاتار قرآنِ کریم میں تناقضات ڈھونڈتے رہے۔ بہت سے مستشرقین نے کہا کہ فلاں آیت مفہوم کے اعتبار سے فلاں آیت سے ٹکراتی ہے۔ فلاں آیت زندگی کے حقائق سے متصادم ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس حقائق سے متصادم بیانات تو بائبل میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً Biblical genealogy کہتی ہے کہ آج کائنات کی عمر ۵۷۸۰ سال کے قریب ہے۔ لیکن جدید معلومات نے بائبل کے اس دعوے کو مسترد کر دیا ہے۔(۲۵) الغرض قرآن کریم کی کوئی بھی آیت ایسی نہیں، جو جدید مصدقہ معلومات اور مسلمہ سائنسی انکشافات سے متصادم ہو۔ نیز قرآن کی کوئی بھی دو آیات ایسی نہیں جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے باہم متصادم ہوں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا. (۲۶)

''کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی کا کلام ہوتا تو یقیناً اس میں

۲۴۔ القرآن، التین ۹۵:۴۔

۲۵۔ دیکھیے: ڈاکٹر مورس بکائی کی کتاب، حوالہ ۱۳۔

۲۶۔ القرآن، النساء ۴:۸۲۔

بہت سے اختلافات پاتے۔''

یعنی قرآن کے کلام خداوندی ہونے کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ اس میں تضاد و تناقض نہیں ہے، اس لیے کہ یہ انسانی کلام کا خاصا ہے۔ اگر قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا کلام ہوتا ہے، تو اس میں بھی جا بجا تضادات ہوتے۔

تاہم اگر اِس بات کا اعتراف نہ کیا جائے، تو ناسپاسی ہوگی کہ مغرب کے علما کی کوششوں سے ہمارے علمی ورثے کا بڑا حصہ محفوظ ہو گیا۔ اور ہمارے بے شمار قلمی نسخے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناپید ہونے سے بچ گئے۔ آپ حیران ہوں گے کہ ہمیں سوئے ہوئے کم و بیش پانچ چھ سو سال ہو گئے، اس وقت حدیث، تاریخ، سیرت اور تفسیر کی جتنی بڑی کتابیں ہیں، وہ مستشرقین ہی کی مدوّن (Edit) کی ہوئی ہیں۔ ابوالکلام آزاد، جن کی ہمارے وَرثے پر گہری نظر ہے، کہتے ہیں کہ اگر مستشرقین نے ان کی تدوین (Editing) نہ کی ہوتی اور اس وَرثے کو از سرِ نو زندہ نہ کیا ہوتا، تو شاید ہمارا کشکول آج خالی ہوتا۔ ہاں یہ درست ہے کہ مستشرقین نے ان ساری کتابوں کو از سرِ نو زندہ کیا، تو ان کتابوں میں جھول اور تناقضات ڈھونڈنے کے لیے زندہ کیا۔ لیکن یہ ربِ کعبہ کی حکمت ہے کہ جب مسلمان اپنے علم کو محفوظ رکھنے کے لیے مستعد نہ رہے تو ''پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے'' کے مصداق، اللہ نے علم کی حفاظت کا یہ کام اہلِ مغرب سے لے لیا۔ قرآنِ کریم کے دشمنوں نے بہت سی تفاسیر Edit کی ہیں۔ ہم تو قرآن کریم کی بجائے اپنے اپنے مسلک پڑھاتے ہیں۔ ہمارا منتہائے مقصود یہ ہوتا ہے کہ فلاں فلاں اداروں پر ہمارا قبضہ مستحکم ہو جائے۔ ہمارے اہداف و عزائم ہی اور ہیں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہماری سیاست کس طرح قائم ہوتی ہے۔ ملک رہے نہ رہے، دین رہے نہ رہے، اسلامی تعلیمات کو بھلے زک پہنچے، بس ہمارا مسلک و مشرب مان لیا جائے۔

میں مکہ اور گلاسگو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتا رہا ہوں۔ گلاسگو یونیورسٹی میں شعبہ عربی اور شعبہ اسلامیات ۱۹۲۱ء میں قائم ہوا۔ یہ وہ عرصہ ہے، جب جہانگیر اور نور جہاں،

toobaa-elibrary.blogspot.com

لاہور کے شاہی قلعہ میں کبوتر اڑایا کرتے تھے۔ دوسری طرف اہل مغرب کا یہ حال تھا کہ وہ یونیورسٹی آف گلاسکو میں اسلامی کتابیں اکٹھی کر رہے تھے۔ کیمبرج اور آکسفورڈ اس سے بھی پہلے کی یونیورسٹیاں ہیں۔ یہ تین یونیورسٹیاں ۱۴۵۱ء میں بنیں: یونیورسٹی آف ایڈنبرا، یونیورسٹی آف سینٹ اینڈریوس اور یونیورسٹی آف گلاسگو۔ تب سے، اہل مغرب مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور ان پر اپنے غلبے کو طول دینے کے لیے، مسلمانوں کی کتابیں اکٹھی کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ وہ کتابیں، جو مجھے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق اور بغداد حتی کہ قاہرہ، جو عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کا Nerve Centre سمجھا جاتا ہے، میں نہ مل سکیں، وہ کتابیں مجھے ڈبلن، پیرس، میونخ اور لندن وغیرہ میں دستیاب ہوگئیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ صحیح بخاری کی سب سے بڑی شرح ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' لکھنے والے ابن حجر عسقلانی کے تین غیر مطبوعہ صفحے مجھے ڈبلن سے ملے، جنھیں مَیں نے: ''الرسالہ فی سنۃ العمامہ'' کے عنوان سے شائع کیا۔ ان صفحات میں موجود مواد کا موضوع، جیسا کے عنوان سے واضح ہے، یہ تھا کہ آنحضرتؐ پگڑی کیسے باندھتے تھے؟ آپؐ کی پگڑی کا رنگ کیسا ہوتا تھا۔ میں نے بحمد اللہ یہ تین غیر مطبوعہ صفحات حاصل کیے، ان کی تدوین (Editing) کی اور انہیں پنجاب یونیورسٹی سے شائع کرایا۔ اپنے علمی ورثہ کو یورپ میں دیکھ کر علامہ اقبال یوں خون کے آنسو روئے تھے:

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ (۲۷)

۲۷۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۰۔

البتہ اسلامی علمی ورثے سے متعلق اہل مغرب کے رویوں سے متعلق ابوالحسن علی ندوی نے ایک بڑی خوبصورت کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مستشرقین سینٹری انسپکٹر جیسا مزاج رکھتے ہیں۔ جس طرح سینٹری انسپکٹر کو ایک گلزار و جنت نشاں شہر میں صرف غیر صحت افزا مقامات اور گندگی کے ڈھیر ہی دکھائی دیتے ہیں، ایسے ہی مستشرقین کو اسلامی ذخیرہ علم میں سے صرف کمزور و نامعتبر روایات ہی نظر آتی ہیں، کیونکہ یہ ان کے اسلام مخالف مقاصد میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ (۲۸)

یہ بات بھی نہایت دلچسپ ہے کہ جمع و تدوین قرآن کے ساتھ ساتھ Variant Readings of the Qur'an یعنی قرآن کریم کے مختلف انداز ہائے قراءت بھی مستشرقین کا مرغوب موضوع رہے۔ گولڈزیہر (م ۱۹۲۱ء) نے کتاب اللہ کی اختلافی روایاتِ قراءت کو بنیاد بنا کر قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کی کوشش کی جبکہ اسی کام کو آرتھر جیفری (م ۱۹۵۹ء) نے کتاب اللہ کی نص پر ۶۰۰۰ سے زائد اعتراض وارد کر کے قرآن کریم کو ساقط الاعتبار ثابت کرنے کے مشن کو آگے بڑھایا۔ جیفری نے The Materials of History of the Text of the Quran اور دیگر متعدد کتب تصنیف کیں۔ اور دور جدید کے قرآن کریم پر لکھنے والے اکثر مستشرقین کا مرجع اصلی یہی آرتھر جیفری ہے۔

آرتھر جیفری عمر کا ایک طویل حصہ قاہرہ میں قیام پذیر رہا جہاں اسے عیسائی عربی دانوں کی ایک بڑی جماعت کی معاونت حاصل تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری کے ساتھ مسلمانوں کے تفسیری، تاریخی، ادبی اور ثقافتی ورثے سے نہایت محنت شاقہ کے بعد ۶۰۰۰

۲۸۔ ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۶۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے زائد قراءت قرانیہ کی ایسی اختلافی روایات اکٹھی کیں جہاں صحابہ کرام اور تابعین میں سے کوئی قرآن کریم کی کسی آیت کو ویسے نہیں پڑھتا تھا جیسے کہ وہ آیت مصحف عثمانی میں وارد ہوئی ہے۔ ایسی اکثر روایات کتب المصاحف سے نقل کی گئیں۔ اسلام کی تاریخ میں کتب المصاحف کی تصنیف کا دور ایسا درخشاں اور روشن دور ہے جب قراءآت قرانیہ کے علماء نے بغیر کسی ردّوقدح اور سرکاری رکاوٹوں کے قرآنی آیات کے پڑھے جانے کے مختلف انداز تحریر کر دیئے کہ مصحف عثمانی کے نفاذ سے پیشتر مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے صحابہ کرام یا تابعین کس طرح فلاں لفظ کو ادا کیا کرتے تھے۔ اور ایسا اس لیے تھا کہ آپ ﷺ نے خود صحابہ کو ان کے قبائل کے لہجوں میں قرآن پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ کتب المصاحف کی تصنیف کتاب اللہ میں تحریف ثابت کرنے کے داعیے کے سبب نہیں تھی۔ بلکہ یہ صرف ایک Academic Exercise تھی کہ فلاں فلاں قبائل کے لوگ ان زمانوں میں فلاں فلاں الفاظ کو ایسے ادا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر قرآن سات قراءتوں (سبعة أحرف) میں اتارا گیا ہے۔ مختلف تذکروں میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سورۃ فاتحہ میں ''غیر المغضوب علیهم ولا الضالین'' کی آیہ مبارکہ کو ''غیر المغضوب علیهم و غیر الضالین'' پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابوھریرہ ''مالک یوم الدین'' کی جگہ ''ملک یوم الدین'' اور حضرت عبداللہ ابن زبیر اور سیّدنا عمر فاروقؓ ''صراط الذین انعمت'' کی بجائے ''صراط من انعمت'' تلاوت فرماتے تھے۔ درحقیقت مندرجہ بالا اور ان جیسی دیگر مثالیں اس وقت کے مختلف قبائل کے فصیح انداز تھے۔ جن کی آپ ﷺ نے اجازت دے رکھی تھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ مندرجہ بالا مثالوں یا ان جیسی دیگر اختلافی قراءآت میں کہیں بھی آیات کا معنی نہیں بدلتا۔ آپ ﷺ کی دی ہوئی رعایت سے صحابہ کرام اور تابعین حضرات کی دو نسلوں نے کم و بیش ۳۵ سال فائدہ اٹھایا اور رمز شناس نبوت سیّدنا

عثمانؓ نے جب محسوس کیا کہ عجمیوں کے اسلام قبول کرنے اور دین متین کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ السلیقہ اللغویہ (عربی زبان میں مہارت) بگڑنے کے سبب قراءآت قرآنیہ کی کثرت امّت میں افتراق اور تشتت کا سبب بنتی جا رہی ہے تو آپ نے سرکاری حکم سے صرف ایک قراءت، جو آپ ﷺ کی مدینہ میں قراءت تھی، بحال رکھی اور باقی جملہ قراءتیں منسوخ فرما دیں اور مصحف عثمانی کو نافذ کرنے کے اس عمل میں بارہ ہزار صحابہ کرام نے شرکت کی۔

آرتھر جیفری اور اس کی ٹیم نے اسلامی ورثے کی ایسی کتابوں اور تفسیری ادب سے ۶۰۰۰ سے زائد روایات اکٹھی کر کے انہیں ۲۸ صحابہ کرام اور تابعین کی جانب منسوب کیا اور بزعم خویش یہ دعویٰ کر دیا کہ فلاں فلاں ۱۵ صحابہ کرام کے پندرہ الگ اور مستقل قرآن تھے۔ جنہیں وہ Primary Codices (بنیادی مصاحف) کا نام دیتا ہے۔ اور باقی روایات ۱۳ تابعین کی جانب منسوب کر کے انہیں Secondary Codices (ثانوی مصاحف) کا نام دیتا ہے۔ آرتھر جیفری ان اٹھائیس صحابہ اور تابعین کی جانب اختلافی روایات منسوب کر کے از خود یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ان اٹھائیس حضرات کے پاس اپنے اپنے ذاتی نسخے موجود تھے اور ان سب نسخوں کو Rival Codices یعنی مقابل قرآن کا نام دیتا ہے۔ حیرت ہے کہ وہ اپنے اس استدلال کے حق میں کوئی شہادت اور ثبوت بھی پیش نہیں کرتا اور انجام کار یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مصحف عثمانی میں جو کچھ دیا گیا ہے وہ یقیناً نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے۔ مگر سیّدنا عثمانؓ نے (نعوذ باللہ) بہت سارا مواد انتظامی ضرورت کے سبب قرآن میں شامل نہیں ہونے دیا۔ جبکہ ایسی ہفوات یا بے سروپا باتوں کی گنجائش اس لیے نہیں ہے کہ سیّدنا ابوبکرؓ نے قرآن کی تدوین کروا کر المصحف الامام کو مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں رکھوا دیا تھا۔ صحابہ اس کو پڑھتے اور تاریخ نے ایک اعتراض بھی ریکارڈ نہیں کیا کہ کسی نے کہا ہو کہ ہمیں فلاں آیت یاد ہے جو یہاں موجود نہیں یا ہم نے

toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ آیت اس سے پہلے کبھی نہیں سنی۔ تقریباً گیارہ بارہ سال بعد حضرت عثمانؓ نے اسی نسخے کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کمشن کے ذریعے قرآن کریم کو دوبارہ آپ ﷺ کے مدنی لہجے میں لکھوایا۔ جو آج تک اسی انداز میں محفوظ ہے۔ اور مختلف لہجات پر مبنی کتاب اللہ سے متعلق مختلف روایات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کا کوئی دشمن یہ ثابت نہیں کر سکا کہ کسی ایک آیت میں سرمو ردّوبدل ہوا ہے۔ (۲۹)

جیسا کہ اشارۃً اوپر ذکر کیا گیا تھا، آج کل Paradigm shift کا زمانہ ہے۔ ۱۹۶۲ء کے لگ بھگ ویٹی کن میں پوپ نے فیصلہ دیا کہ آج کے بعد ہم قرآنِ کریم کے بارے میں سخت اور ناروا زبان استعمال نہیں کریں گے۔ اُس کے بعد قرآنِ کریم اور اسلام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا، وہ بڑی حکمتِ عملی اور منصوبے کے تحت لکھا گیا۔ زیر بحث موضوع کے ضمن میں Paradigm shift کو علمی زبان میں نظریۃ البناء والہدم، (The Doctrine of Construction and Destruction) یعنی: تعمیر اور انہدام کا نظریہ کے حوالے سے بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں یہاں صرف ایک مثال پیش کروں گا کہ مسلمان بہت خوش ہو کر بیان کرتے ہیں کہ مائیکل ہارٹ نے سو عظیم لوگوں میں پہلے نمبر پر آں جناب ﷺ کو رکھا۔ (۳۰) یہ دراصل

۲۹۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھیے: چوہدری، محمد اکرم، اختلاف قراءآت قرآنیہ اور مستشرقین (آرتھر جیفری کا خصوصی مطالعہ) جلد ۳۴، شمارہ ۳، فکر و نظر جنوری۔ مارچ ۱۹۹۷ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ص ۵۵۔۸۲

30. Please see: Hart, Michael. H, The 100-A Ranking of the Most Influential Persons in History,NewYork, 1978.

Doctine of Construction and Destruction ہی کی ایک صورت ہے، جس کو اہلِ علم نے تو محسوس کیا، عوام الناس اور خطیبوں نے محسوس نہیں کیا۔ اُس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے نمبر پر اِس لیے رکھا کہ اس کی رائے میں آپؐ بہت بڑے سیاستدان (Statesman) تھے، آپؐ کی سیاست ایسی تھی کہ دس سال کے قلیل عرصہ میں ۱۰ لاکھ مربع میل پر اسلامی ریاست قائم کر کے دکھا دی۔ گویا وہ ایک فرد کے محاسن بیان کرتا ہے، لیکن اُن تعلیمات کی جانب اشارہ نہیں کرتا، جن کی بدولت سرورِ عالم فداہ ابی وامی اتنی بڑی انسانی تبدیلی لا سکے۔ یہ دھوکے کا ایک نیا انداز ہے۔ (۳۱) اس سے تو انکار ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حضورؐ صفحہ ہستی پر اللہ کے بعد بزرگ ترین ہستی ہیں، لیکن یہ جو نیا Doctrine پیش کیا گیا اس کی تہہ میں یہ مقصد کارفرما تھا کہ حضورؐ کی اس انداز سے تعریف کرو کہ صرف آپؐ کی Statesmanship کا کمال نظر آئے، تعلیمات کا میرٹ دکھائی نہ دے۔ حالاں کہ آپؐ کی تعلیمات کا اثر یہ تھا کہ حضرت عمرؓ، بلال حبشیؓ کو جب بھی مخاطب کرتے تو سیّدنا (ہمارے آقا) کہہ کر مخاطب کرتے۔ ذرا سوچیے کہ وہ اے ہمارے آقا! کیوں کہتے تھے؟ اس لیے کہ آں جنابؐ سیدنا بلالؓ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جلال الدین سیوطی اور ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ حضورؐ کے وصال کے بعد مدینہ چھوڑ کر دمشق چلے گئے (الحمد اللہ مجھے دمشق میں اُن کی تربت پر فاتحہ پڑھنے کا شرف

۳۱۔ مستشرقین کے اس نئے انداز کو مشہور مستشرق منٹگمری واٹ کی تصانیف میں بھی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے:

Watt, W. Montgomery, Muhammad: Prophet and Statesman, p,14.

toobaa-elibrary.blogspot.com

حاصل ہوا ہے)۔(۳۲) آپؐ کے وصال کے بعد سیّدنا حسنؓ، سیّدنا حسینؓ اور حضرت عمرؓ کی درخواست پر حضرت بلال حبشیؓ صرف ایک مرتبہ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضرت بلالؓ نے مدینہ میں اذان دینا ترک کر دی تھی، لیکن سیدنا حسنؓ، سیّدنا حسینؓ اور حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ آج آپ مدینہ میں اذان دیں گے۔ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ جب سیدنا بلال حبشیؓ نے اذان دی تو لوگ روتے اور چیخیں مارتے ہوئے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔(۳۳) ابن حجر کے مطابق مدینہ منورہ میں یہ منظر دو ہی بار دیکھنے میں آیا: ایک آں جنابؐ کے وصال کے وقت اور دوسرے حضرت بلال حبشیؓ کی اِس اذان کے وقت۔

یہ Paradigm shift بھی ان شاء اللہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔ اب مسلمانوں میں بیداری (Awareness) کا عمل جاری ہے۔ اب وہ سورج طلوع ہونے کو ہے، جب کوئی سامراجی طاقت اپنی مرضی سے مسلمانوں پر حکمران مسلط نہیں کر سکے گی۔ ہم تبدیلی کے زمانے سے گزر رہے ہیں اور ہمیں اپنی نوجوان نسل سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ نوجوان نسل کے ہاتھوں میں قیادت آنے سے ایک بہت بڑی تبدیلی آئے گی اور اِن شاء اللہ یہاں اسلام کے اصولوں کے مطابق نظام زندگی کی عمل داری ہوگی۔

آخر میں بس اتنا عرض ہے کہ علامہ اقبال نے Reconstruction of

۳۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، بیروت، داراحیاء التراث العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۲ھ، ج ۷، ص ۸۰۔

۳۳۔ ابن الاثیر، عزالدین علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء/۱۴۲۴ھ، ج ۱، ص ۴۱۷۔

Religious Thought in Islam کے پہلے باب (۳۴) میں کہا ہے کہ کتاب اللہ کی حقانیت کے دو ہی Test ہیں۔ ایک وجدانی ٹیسٹ ہے، یعنی جب میں قرآن کریم پڑھتا ہوں تو یہ کتاب از خود مجھے باور کراتی ہے کہ میں انسانی کلام نہیں ہوں۔ دوسرا Pragmatic test ہے، یعنی آپ اس کتاب کی تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو کر کے دیکھیں، آپ اِس کے دیے ہوئے قوانین کو اپنے معاشرے پر نافذ کریں، اگر آپ کے لیے سُود مند نہ ہوں تو آپ اس پر ایمان نہ لائیں اور اگر یہ آپ کی زندگی کو بہتر کر دے تو آپ کو دل سے مان لینا چاہیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور یہ ابدی اور سچی ہدایت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے آخر الزّماں نبی محمد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک کے لوگوں کو عطا کی ہے۔

یہ قرآن کے اعجازِ مسلسل ہی کا کرشمہ ہے کہ اس کے دشمن لوگوں کو اس سے دور ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، اس کے خلاف پروپیگنڈہ اور سازشیں کرتے ہیں، لیکن قرآن اور اس کا پیغام ان کی ان ناپاک کاوشوں سے دبنے کی بجائے اور ابھرتا ہے اور سلیم الفطرت انسان اس کی طرف بے اختیار کھنچے چلے آتے ہیں۔ حال ہی میں امریکی پادری ٹیری جونز نے فلوڈیلفیا میں قرآن کو جلانے کا مذموم منصوبہ بنایا۔ اگرچہ وہ عالم اسلام کے شدید ردعمل اور سخت احتجاج کی بنا پر اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہا، لیکن اس کے اس ناپاک منصوبہ کے مقابلہ میں قرآن کا اعجاز یوں مبرہن ہوا کہ امریکہ اور یورپ میں لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں قرآن کا

---

34. Please see: Iqbal, Allama Muhammad, The Recostruction of Religious Thought in Islam, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1977, chapter 1.

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعہ شروع کر دیا، کہ دیکھیں، جس کتاب کو جلانے کا منصوبہ بنایا گیا، وہ کہتی کیا ہے؟ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ اور یورپ میں لوگوں کے قبول اسلام کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی اور قرآن حکیم کہ اس بیان پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی کہ:

وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْن. (۳۵)

''اورانہوں چال چلی (تو) اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اہل اسلام کو قرآن ایسی عظیم و بے نظیر اور اعجاز مسلسل کی حامل کتاب کو سمجھنے اور اس کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں نافذ کر کے اپنی دنیا اور آخرت سنوارنے اور پوری انسانیت کی دنیوی و اخروی بھلائی کے لیے اس کا پیغام غیر مسلموں کو اس کی اصلی روح کے ساتھ پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆

۳۵۔ القرآن، آل عمران ۳:۵۴۔

کتابیات

۱۔ القرآن

۲۔ الآلوسی، شہاب الدین محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن المجید والسبع المثانی، بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ۔

۳۔ ابن ابی ابوداؤد، مقدمہ کتاب المصاحف، تحقیق: آرتھر جیفری، مصر، المطبعۃ الرحمانیۃ، ۱۹۳۶ء۔

۴۔ ابن الاثیر، عزالدین علی بن محمد، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۳ء/ ۱۴۲۴ھ۔

الکامل فی التاریخ، دارالکتاب العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۹ء/ ۱۴۲۰ھ۔

۵۔ ابن الانباری، محمد بن قاسم، کتاب الایضاح عن الوقف والابتداء، دمشق، ۱۹۷۱ء۔

۶۔ ابن الجزری، ابو الخیر محمد بن محمد الدمشقی، النشر فی القراء آت العشر، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ۔

۷۔ ابن جنّی، الخصائص، تحقیق محمد علی النجار، بیروت، ۱۹۵۲ء۔

۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، بیروت، داراحیاء التراث العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۲ھ۔

۹۔ ابن حنبل، احمد، مسند ابن حنبل، بیروت، داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الثانیہ، ۹۳ ۱۹ء/ ۱۴۱۴ھ۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

۱۰۔ ابن قتیبہ، تاویل مشکل القرآن، تحقیق: سعید احمد صقر، القاہرہ، دارالتراث، ۱۳۹۳ھ۔

۱۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، بیروت، دارالفکر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۸ھ۔

السیرۃ النبویۃ، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ب۔ت۔

۱۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۵ھ۔

۱۳۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ب۔ت۔

۱۴۔ ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۱ء۔

۱۵۔ ابوعبید القاسم بن سلام، فضائل القرآن، بیروت، دارلکتب العلمیۃ، ۱۹۹۱ء۔

۱۶۔ ابوعبید، معمر، مجاز القرآن (تحقیق، فواد سیزگین)، مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۱ء/ ۱۴۰۱ھ۔

۱۷۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، لاہور، شیخ غلام علی انڈسنز، ۱۹۷۵ء۔

کلیات اقبال اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۳ء۔

۱۸۔ امیل یعقوب، معجم الخطأ والصواب فی اللغۃ، بیروت، دارالعلم للملایین، ۱۹۸۳ء۔

۱۹۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دمشق، دار ابن کثیر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۰ھ۔

۲۰۔ البیھقی، الخصائص الکبری، بیروت، دارالفکر، ب۔ت۔

۲۱۔ الجاحظ، ابوعثمان، البیان والتبیین، تحقیق عبدالسلام محمد ہارون، القاہرہ، ۱۹۴۸ء۔

۲۲۔ جرجی زیدان، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، بیروت، دارالھلال، ۱۹۵۷ء۔

۲۳۔ الجوزی، جمال الدین ابی الفرج عبدالرحمٰن بن علی، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم،

بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۵ھ۔

۲۴۔ الخطابی والجرجانی، فی ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن، مصر، دارالمعارف۔

۲۵۔ الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد ومدینۃ السلام، بیروت، دار الکتاب العربی، ب۔ت۔

۲۶۔ الدانی، ابوعمرو عثمان بن سعید، المقنع فی رسم مصاحف الامصار، تحقیق: محمد الصادق قمحاوی، قاہرہ، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، ب۔ت،

۲۷۔ الدھلوی، شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ب۔ت۔

۲۸۔ رضوی، ڈاکٹر خورشید، عربی ادب قبل از اسلام، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء۔

۲۹۔ الزرکشی، بدرالدین، البرھان فی علوم القرآن، بیروت، دارالفکر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۸ء/ ۱۴۰۸ھ۔

۳۰۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۷۱ء۔

۳۱۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، الاتقان فی علوم القرآن، الریاض، مکتبۃ المعارف، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء/ ۱۴۱۶ھ۔

۳۲۔ المزہر فی علوم اللغۃ وأنواعھا، مصر، عیسی البابی الحلبی وأولادہ، الطبعۃ الثانیۃ، ب۔ت۔

۳۳۔ الشاطبی، ابواسحاق ابراہیم بن موسی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، القاھرہ، ۲۰۰۶ء

۳۴۔ شودری، محمد اکرم، ھل یقع الترادف اللغوی فی القرآن الکریم؟ مکہ المکرّمۃ، المکتبۃ الفیصلیۃ، ۱۹۸۵ء

toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۵۔ الطبری، ابن جریر، تاریخ الطبری، بیروت، الموسسۃ العلمیۃ للمطبوعات، ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ۔

جامع البیان عن تاویل آی القرآن، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۸ھ۔

۳۶۔ الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامۃ بن سلمۃ الازدی المصری، ابی جعفر، مشکل الآثار، بیروت، دارالفکر، ب۔ت۔

۳۷۔ طنطاوی، جوہری، الجواہر فی تفسیر القرآن، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ب۔ت۔

۳۸۔ العجلونی، اسماعیل بن محمد، کشف الخفاء ومزیل الالباس، بیروت، دارالفکر، ب۔ت۔

۳۹۔ عمر فروخ، المنہاج فی الادب العربی وتاریخہ، بیروت، المکتبۃ العصریۃ، ب۔ت۔

۴۰۔ العینی، بدرالدین، عمدۃ القاری بشرح البخاری، بیروت، المکتبۃ البخاریۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۱۸ھ۔

۴۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، رافع اللغات، لاہور، الفیصل، ۲۰۰۵ء، ص ۳۹۴۔

۴۲۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز، ب۔ت، حصہ اول، ص ۶۶۵۔

۴۳۔ القشیری، ابی الحسن مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، بیروت، دارالمعرفۃ، ب۔ت۔

۴۴۔ القلقشندی، ابو العباس، احمد بن علی، صبح الأعشی فی صناعۃ الأنشاء، دارالثقافۃ وارشاد القوافی، الموسسۃ المصریۃ، ب۔ت۔

۴۵۔ القیسی، ابومکی بن ابی طالب، کتاب الابانۃ عن معانی القراءآت، دمشق، دارالمامون للتراث، ب۔ت۔

۴۶۔ الکردی، محمد طاہر بن عبدالقادر، تاریخ القرآن وغرائب رسمہ وحکمہ، مصر، مصطفیٰ البابی

الحلبی واولادہ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۵۳ء/ ۱۳۷۲ھ۔

۴۷۔ محمد تقی عثمانی، علوم القرآن، کراچی، مکتبہ دارالعلم، ب۔ت۔

۴۸۔ محمد حمیداللہ، ڈاکٹر خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، ۱۹۹۹ء۔

۴۹۔ مصطفیٰ صادق، الرافعی، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، بیروت، دارالکتاب العربی، ب۔ت۔

۵۰۔ محمد عرفۃ، نقض مطاعن القرآن، تحقیق: محمد رشید رضا، مصر، دارالمنار، ۱۳۵۱ھ۔

۵۱۔ مطر، عبدالعزیز، لحن العامۃ فی ضوء الدراسات اللغویۃ الحدیثۃ، القاھرہ، ۱۹۸۱ء

۵۲۔ مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ب۔ت۔

۵۳۔ النووی، شرح المھذب، جدہ، مکتبۃ الارث، ب۔ت۔

۵۴۔ وافی، عبدالواحد، فقہ اللغۃ۔ لجنۃ البیان العربی، ۱۳۸۸ھ۔

۵۵۔ ہارون یحییٰ، اللہ کی نشانیاں عقل والوں کے لیے، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۱ء۔

۵۶۔ الھندی، علاءالدین علی المتقی بن حسام الدین، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۹۹۸ء/ ۱۴۹۱ھ۔

57. Arthur Jeffery, The Qur'an as Scripture, Russell & Moore Company, New York, 1952. Materials for the History of the Text of the Qur'an, Leiden, E.J. Brill, 1937.

58. Bell Richard, Introduction to the Quran, Edinburgh University Press,1953.

toobaa-elibrary.blogspot.com

59. Burton ,The Collection of the Qur'an, London University Press, New york, 1977.

60. Funk Hoover and Jesus Seminar, The Five Gospels, Ma^c Millan Publishing, House, N.Y. 1993.

61. George Sale, The Quran, New york, 1890.

62. Hart, Michael. H, The 100-A Ranking of the Most Influential Persons in History, New York, 1978.

63. Iqbal, Allama Muhammad, The Recostruction of Religious Thought in Islam, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 1977.

64. M.A Chaudhary, "Orientalism on Variant Readings of the Qur'an- the Case of Arthur Jeffery", American Journal of Islamic Social Sciences,Vol, 12, No.2, 1995.

65. Margoliouth, Encyclopaedia of Religion and Ethics, Edinburgh, New York,1956.

66. Mauric Bucaille,The Bible, the Quran and Science, translated from the French by Alastair D.Pannell and the Author.N.D.

67. Mingana,Alphonse,"Leaves from Three Ancient Qurans-Possibly Pre-Uthmanic", Cambridge, 1914.

68. Palmer, F.R, Semantics,Cambridge University Press,1976.

69. Rodwell, J. M, The Koran, London, Dent, 1909.

70. Stetkevych, Jaroslav, The Modern Arabic Literary Language_Lexical and Stylistic Developments, The University of Chicago Press ,1970.

71. The Holy Bible:Revised Standard Version, London, Thomas Nelson and Sons, 1952.

72. The New Encyclopaedia of Bretannica, Article: "Koran" The Encyclopaedia of Islam, Leiden, "Koran"

toobaa-elibrary.blogspot.com

73. Tritton, A. S, Islam: Belief and Practice, London, Hutchinson, 1962.

74. Watt, W. Montgomery, Muhammad: Prophet and Statesman, Oxford University Press, 1961.

AF-1425

toobaa-elibrary.blogspot.com